مطبوعاتِ جدیدہ

شاہ اسمٰعیل شہید مرتبہ جناب عطاء اللہ صاحب بٹ، تقطیع بڑی ضخامت ۲۱۶ صفحے، کاغذ کتابت وطباعت بہتر، قیمت مجلد عہ، پتہ قومی کتب خانہ ریلوے روڈ لاہور،

ہماری جدید تعلیم یافتہ نسل خصوصاً نوجوانوں کا طبقہ ہندوستان میں اپنے اسلاف کے مجاہدانہ کارناموں سے عموماً ناواقف ہے، مسلمان سلاطین کے حالات سے تو اسکول کا بچہ بچہ واقف ہے لیکن حضرت مجدد الف ثانی، شاہ ولی اللہ دہلوی، حضرت سید احمد بریلوی اور مولانا اسمٰعیل شہید رحمۃ اللہ علیہم کے کارناموں سے بہت سے اچھے خاصے تعلیم یافتہ اشخاص تک ناواقف نکلیں گے، خوشی کا مقام ہے کہ پنجاب مسلم اسٹوڈنٹس کانفرنس نے ان بزرگوں کی یاد کو تازہ رکھنے اور نوجوانوں کو ان کے کارناموں سے روشناس کرنے کے لئے ان کی یادگار منانے کا سلسلہ شروع کیا ہے جس میں ان کے حالات اور کارناموں پر مضامین پڑھے جاتے ہیں، زیر نظر مجموعہ حضرت مولانا اسمٰعیل شہیدؒ کے متعلق اردو اور انگریزی کے مضامین پر مشتمل ہے، لکھنے والوں میں مولانا سعید احمد صاحب اکبرآبادی، مولانا محمد میاں مرادآبادی، ڈاکٹر محمد باقر، ڈاکٹر تصدق حسین خان، غلام رسول صاحب مہر، نصر اللہ خان صاحب عزیز، پروفیسر عبد القیوم صاحب، خواجہ عبد الوحید صاحب، پروفیسر سلیم چشتی اور لاہور کے متعدد اصحاب قلم ہیں، پنجاب مسلم اسٹوڈنٹس کانفرنس کا یہ ملی احساس قابل ستائش ہے، ہمارے صوبہ متحدہ کے مسلمان نوجوانوں کو اس سے سبق حاصل کرنا چاہئے جن کی قومیت پرستی کی معراج ملحدانہ اشتراکیت اور جن کی قلمی و ادبی کائنات نئے ادب سے آگے نہیں بڑھتی،

فیصلہ کن جنگیں مؤلفہ جناب محمود خان صاحب مورخ، تقطیع چھوٹی ضخامت ۱۹۰ صفحے کاغذ کتابت وطباعت بہتر، قیمت مجلد عا، پتہ ملک بک ڈپو لکے زئیاں اسٹریٹ لاہور،

ہندوستان کی سرزمین پر محمود غزنوی بلکہ اس سے بھی پہلے محمد بن قاسم کے حملہ سے لیکر سلطان ٹیپو اور انگریزوں کی جنگ تک بہت سی اہم لڑائیاں ہوئی ہیں جن کا اثر کسی نہ کسی حیثیت سے سارے ہندوستان پر پڑا، مؤلف نے اس کتاب میں ان میں سے آٹھ لڑائیوں پرتھوی راج اور محمد غوری کی جنگ تھانیسر ۱۱۹۲ء، بابر اور ابراہیم لودی کی جنگ پانی پت ۱۵۲۶ء، ہمایوں اور فرید خان کی جنگ قنوج ۱۵۴۰ء، اکبر اور ہیمو کی جنگ پانی پت ۱۵۵۶ء، دکن کی ہندو اور مسلمان حکومتوں کی متحدہ جنگ تالی کوٹہ ۱۵۶۴ء، سراج الدولہ اور انگریزوں کی جنگ پلاسی ۱۷۵۷ء، احمد شاہ ابدالی اور مرہٹوں کی جنگ پانی پت ۱۷۶۱ء، ٹیپو اور انگریزوں کی جنگ سرنگاپٹم ۱۷۹۹ء کے حالات لکھے ہیں جو ان کے نزدیک اپنے نتائج کے اعتبار سے زیادہ اہم اور فیصلہ کن تھیں، اور جن کا اثر سارے ہندوستان پر پڑا، ان لڑائیوں کے درمیانی زمانوں کے مختصر حالات بھی لکھ دیئے ہیں جن سے تاریخی خلا محسوس نہیں ہوتا، ہر جنگ کے حالات کے آخر میں اس کے ماخذ بھی دیدیئے ہیں، جابجا حالات کے ضمن میں بھی حوالے ہیں، کتاب مفید ہے،

ذکر جمیل از جناب ماہر القادری، تقطیع چھوٹی ضخامت ۱۰۷ صفحے، کاغذ کتابت طباعت بہتر، قیمت مجلد ۱۲ر، پتہ نفیس اکیڈمی حیدرآباد دکن،

ذکر جمیل مصنف کی نعتیہ نظموں کا مجموعہ ہے، ان کا کلام اردو ادبی ذوق تعارف سے مستغنی ہے، زیر نظر مجموعہ میں بھی ان کا حسن مذاق نمایاں ہے، خیالات بڑی حد تک نعت کی عام افراط وتفریط اور بے اعتدالی سے پاک ہیں، کہیں کہیں پر خفیف لغزش چنداں قابل توجہ نہیں، انداز بیان دلکش اور موثر ہے، یہ نظمیں میلاد کی مجلسوں میں پڑھنے کے لائق ہیں،

"م"

جلد ۵۶ ماہ جمادی الاول مطابق ماہ مئی ۱۹۴۵ء عدد ۵

مضامین

شذرات

دار المصنفین صرف دار الاشاعۃ نہیں ہے بلکہ یہ ایک دار التکمیل اور دار التربیۃ ہے جہاں عربی وانگریزی کے فارغ التحصیل سلیم الذوق اصحاب پانچ برس رہکر مزید تحقیق وتدقیق، تلاش وجستجو اور توسیع علم ومطالعہ میں مصروف رہتے ہیں اور ان کی تلاش اور محنت کے نتیجے وقتاً فوقتاً شائع ہوتے رہے ہیں، اس کی گذشتہ تیس سال کی زندگی میں متعدد فضلا یہاں سے فارغ ہوکر باہر گئے، اور ملک وملت ان کی تصنیفات وتحقیقات سے مستفید ہوا اور ہو رہا ہے،

—— • ✕ • ——

اس سلسلہ میں مولوی حاجی معین الدین صاحب ندوی مرحوم کا پہلا نام تھا جو یہاں سے پہلے کلکتہ لائبریری میں پھر اورینٹل لائبریری پٹنہ میں اور پھر مدرسہ شمس الہدیٰ پٹنہ میں صدر مدرس ہوئے دوسرا نام پروفیسر نجیب اشرف صاحب ندوی کا ہے، جو اس وقت اسماعیل کالج بمبئی میں السنہ شرقیہ کے معلم ہیں، تیسرا نام مولوی سعید صاحب انصاری کا ہے، جو ہندوستانی اکاڈیمی الہ آباد کے رسالہ میں اڈیٹر ہوئے، چوتھا نام مولوی محمد عزیز صاحب ایم اے کا ہے جو اب مسلم یونیورسٹی میں اردو کے لکچرر ہیں، پانچویں صاحب مولوی ابو الجلال صاحب ندوی ہیں، جو اس وقت جامعہ دار السلام عمرآباد کے سلسلہ تالیف وتصنیف میں منسلک ہیں، چھٹے صاحب مولانا سید ابو ظفر صاحب ندوی ہیں، جو پہلے یہاں سے شانتی نکیتن بنگال میں عربی کے پروفیسر ہوکر گئے، اور اب گجرات ورنیکلر سوسائٹی میں ریسرچ اسکالر ہیں،

—— • ——

اس سلسلہ کا آخر نام مولوی محمد اویس صاحب نگرامی ندوی کا ہے، جو ابھی پانچ برس کی مدت ختم کرکے دار العلوم ندوۃ العلماء میں درس قرآنیہ اور علوم قرآنیہ اور فقہ وکلام کے مدرس ہوکر گئے ہیں، دلی دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اُن سے مدرسہ مذکور کے طلبہ کو مستفید فرمائے،

—— • ——

انگریزی یونیورسٹیوں کے ریسرچ اسکالر اور ڈاکٹریٹ کے طالب علم بھی وقتاً فوقتاً یہاں سے مستفید ہوتے رہتے ہیں خطوط سے

مستفید ہوا اور کبھی کبھی یہان قیام کرکے اپنے مقالون کو تیار کرتے ہین، اس سلسلہ مین ڈھاکہ یونیورسٹی کے ایک طالب العلم مہینون یہان مقیم رہکر اپنے کام کو تکمیل کو پہنچایا، اور ابھی بمبئی یونیورسٹی کے ایک طالب علم نے کراچی سے آکر اور ایک ہفتہ رہکر اپنی ضرورت کے معلومات فراہم کئے، ایسے شائقین کے لئے دار المصنفین کے دروازے ہمیشہ کھلے رہتے ہین،

دار المصنفین کا اس سے بھی ایک وسیع کام تلاش وتحقیق کے جویا کے لئے معلومات کی فراہمی اور ان کے علمی اشکالات کے حل کی تلاش ہے، چنانچہ اس قسم کے خطوط کے جوابات روزانہ ہمارے رفقاء دار المصنفین لکھ کر بھیجا کرتے ہین،

دار المصنفین کی طرف سے تاریخ ہند اور تاریخ اسلام کے دو سلسلون کے شروع ہونے کا اعلان کیا گیا تھا، خدا کا شکر ہے کہ یہ دونون سلسلے اتمام کو پہنچ رہے ہین، گو ابھی تک کاغذ اور چھپائی کے سامان کی کمیابی سے وہ چھپ نہیں سکے، تاریخ اسلام کے دو سلسلے ہین ایک مشرقی سلطنتون کا، اور دوسری مغربی، مشرقی سلطنتون کی تاریخ کی ترتیب مولوی شاہ معین الدین احمد صاحب ندوی کر رہے ہین، اس سلسلہ کی تین جلدین چھپ چکی ہین، اور چوتھی زیر طبع ہے، اس پر بنی عباس کی سیاسی تاریخ ختم ہو جائیگی، اور پانچوین جو اُن کے علمی و تمدنی کارنامون پر مشتمل ہوگی، زیر ترتیب ہے، اس کے بعد سامانیون، دیلمیون، سلجوقیون، غزنویون اور خوارزم شاہیون کی جلدین ہون گی انشاء اللہ تعالیٰ،

مغربی سلطنتون کا کام مولوی سید ریاست علی صاحب ندوی نے اپنے ذمہ لیا، اور سات آٹھ سال سے وہ اس مین لگے ہوئے ہین اس سلسلہ مین صقلیہ (سسلی) کی محققانہ تاریخ دو جلدون مین لکھ کر وہ پیش کر چکے ہین، اور وہ کتابین اہل شوق کے ہاتھون مین پہنچ چکی ہین، اب وہ اندلس اور افریقہ کی تاریخون کی ترتیب دے رہے ہین، اور ان کا بہت سا کام وہ ختم کر چکے ہین، اور اب عنقریب ان کی اندلس کی جلد مطبع مین جانے والی ہے،

سب سے لمبی اور طویل اسلامی سلطنت دولت عثمانیہ (ٹرکی) ہے، اس کی تاریخ کی ترتیب کا کام مولوی محمد عزیر صاحب ایم اے نے انجام دیا ہے جس کی دو جلدین چھپ چکی ہین، اور تیسری زیر قلم ہے، اور اس پر اس سلسلہ کا خاتمہ ہوگا،

تاریخ ہند کی دو ابتدائی جلدین جن مین سے پہلی سندھ کی عربی ریاستون کی تاریخ اور دوسری غزنویون سے متعلق ہے، مولوی سید ابو ظفر صاحب ندوی نے لکھی ہین، اور بالکل تیار ہین، اس سلسلہ کا ایک حصہ جو ہندوستان کی اسلامی سلطنتون کے علمی و تمدنی کارنامون پر مشتمل ہے، مولانا عبد السلام صاحب ندوی، مولانا ابو ظفر صاحب ندوی، اور سید صباح الدین عبد الرحمن صاحب ایم اے کی محنتون کا ثمرہ ہے، اور مکمل ہے، تاریخ ہند کی بقیہ جلدون کی تکمیل سید صباح الدین صاحب سے متعلق ہے، جس مین وہ برابر مصروف ہین،

*

اردو اور ہندی کے تفرقہ کو کانگریس کے پلیٹ فارم پر لانے والے ٹنڈن جی ہین، انہی نے پہلے یوپی کانگریس کمیٹی مین اس کو پھیلایا، اور بڑھایا، اور اب اس کو وہ سارے ہندوستان کا مسئلہ بنا رہے ہین، پچھلی کانگریس منسٹری مین یہی خیال تھا جس نے پیارے لال شرما جیسے شریف اور ملنسار آدمی کی جگہ سمپورنانند کو اسکول کی ماسٹری سے وزارت کی کرسی پر لا بٹھایا، اور سنسکرتی ہندی کے رواج کو اس تھوڑے اختیار کے ہوتے پر تعلیمات مین بزور پھیلانے کی اسکیم پر علانیہ عمل شروع کرایا گیا، فیض آباد کی تقریرون مین دونون نے مل کر اس کا اعلان کیا، اور یہ کہنا حقیقت سے دور نہ ہوگا، کہ کانگریس منسٹری سے مسلمانون کو نفرت دلانے مین ان دو دماغون کا بڑا حصہ ہے، ٹنڈن جی کی ابھی حال کی پونہ کی تقریر سے پتہ چلتا ہے، کہ وہ اپنی رائے پر مضبوطی سے اڑے ہوئے ہین،

مقالات

خطبۂ صدارت اجلاس جمعیۃ العلماء صوبہ بمبئی منعقدہ ۷ صفر ۱۳۶۷ھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ نحمدہ ونستعینہ من یھدہ اللہ فلا مضل لہ ومن یضللہ فلا ھادی لہ و اشھد ان لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ واشھد ان محمدا عبدہ ورسولہ

الحمد للہ رب العلمین الرحمن الرحیم مالک یوم الدین ایاک نعبد وایاک نستعین اھدنا الصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیھم غیر المغضوب علیھم ولا الضالین آمین

حضرات! آج بحمد اللہ ہم ایک ایسے مقام پر جمع ہین جس کو ایک شہر کے بجائے ملک ہندوستان کا خلاصہ کہنا چاہئے، یہ صوبہ کے مسلمان اور ہر خیال کے ارکان یہان آباد ہین، اس لئے یہان مسلمانون کے سارے محاسن اور معائب جو کچھ ہین وہ آپ کے سامنے ہین، اسی لئے ایک بزرگ کا یہ قول مجھے یاد آیا کہ بمبئی کی اصلاح سارے ہندوستان کی اصلاح ہے، اگر بمبئی کے مسلمان مسلمان بن جائین تو پھر سارے ملک کو مسلمان سمجھئے، یہان کے مسلمانون کی کاروباری زندگی، تجارتی مشاغل اور حصول رزق اور کسب مال کے غیر محدود ذرائع نے ان کو معطل وبیکار بننے کے بجائے ان کو متحرک اور روان دوان اور چلتا پھرتا بنا دیا ہے، یہان کوئی ہاتھ پیر توڑ کر بیکار نہیں بیٹھ سکتا، ورنہ زندگی کے دن گذارنے مشکل ہو جائین، یہان جو ہے وہ اپنے کامون مین مصروف اور اپنی کوششون مین مشغول ہے، اس لئے یہان کے مسلمانون کی بیماری بیکاری اور تعطل اور جمود نہین بلکہ غیر معتدل حرکت، نامناسب رفتار عمل اور غیر متوازن سمت سفر ہے،

حضرات! یہ شہر جس طرح باب مکہ ہے، اسی طرح گیٹ آف انڈیا بھی ہے، دنیا کے کسی حصہ مین بھی جو اچھے یا برے خیالات پیدا ہوتے ہین، ہندوستان مین اس کے داخلہ کا راستہ یہی شہر ہے، یہان کی گودیون مین نہ صرف یورپ اور امریکہ کے نئے نئے سامان تجارت اترتے رہتے ہین، بلکہ یورپ سے لدلد کر نئے نئے اسباب جہالت بھی آتے رہتے ہین، اور یہین سے وہ ملک کے گوشہ گوشہ مین پھیلتے ہین، اس لئے مجاہدین اُمت کے لئے بڑی ضرورت تھی کہ اس بندرگاہ کی حفاظت کے لئے ایک مضبوط اور محفوظ چھاونی قائم کرین جو دشمنون کا مقابلہ کرے، اور باطل خیالات کی فوج کو شکست دے سکے،

حضرات! مین نے ابھی جو سورۂ فاتحہ تلاوت کی یہ حقیقت مین مجموعۂ قرآن پاک کا خطبۂ افتتاحیہ ہے، اکابر مفسرین کی تحقیق وتشریح کے مطابق اس سورہ مین قرآن پاک کے سارے مضامین کا خلاصہ مذکور ہے، توحید فی الذات، توحید فی الصفات، توحید فی العبادات، اتباع آثار انبیاء علیہم السلام، جزاء وسزا سب ہی مضامین اس مین موجود ہین، ایک اور حیثیت سے دیکھئے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اس روایت کے مطابق کہ اس سورہ میں حمد وتمجید اور دعا اور سوال کے مضامین یکجا ہین، ارشاد ہے کہ جب بندہ نماز مین سورہ فاتحہ تلاوت کرتا ہے، تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ قسمت الصلوۃ بینی وبین عبدی نصفین، نماز یا نماز کی یہ سورت پاک میرے اور میرے بندے کے درمیان آدھی آدھی بٹی ہوئی ہے، بندہ جب الحمد للہ رب العلمین کہتا ہے تو اللہ پاک فرماتا ہے کہ میرے بندہ نے میری حمد کی اور جب الرحمن الرحیم مالک

یَوْمِ الدِّیْنِ کہتا ہے تو ارشاد فرماتا ہے کہ میرے بندہ نے میری بزرگی جتلائی، اور جب نمازی اِیَّاكَ نَعْبُدُ وَاِیَّاكَ نَسْتَعِیْنُ کہتا ہے تو ارشاد ہوتا ہے کہ یہ میرے اور میرے بندہ کے درمیان ہے، اور اس کے بعد اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ کی درخواست پیش ہوتی ہے، تو ارشاد ہوتا ہے کہ ولعبدی ما سأل میرے بندہ کے لئے وہ ہے جس کی اس نے درخواست پیش کی،

آج کی مجلس میں مجھے درخواست کے اسی مضمون سے زیادہ تر بحث ہے، اس درخواست اور دعا کے الفاظ یہ ہیں جن کو ہر مسلمان نمازی دن رات میں بیسیوں دفعہ دہراتا ہے، بلکہ وہ نماز ہی نہیں جس میں حقیقۃً یا نیابۃً یہ درخواست اور دعا شامل ہو، اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْهِمْ غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْهِمْ وَلَا الضَّآلِّیْنَ اس دعا و درخواست میں بندہ اللہ تعالیٰ سے اپنی زندگی کے ہر منہج اور اپنے عمل کے ہر پہلو میں سیدھے راستہ پر چلائے جانے کی استدعا بارگاہ الٰہی میں پیش کرتا ہے، سب معلوم ہے کہ درخواست در صراط مستقیم کے ساتھ تین قیدیں لگی ہوئی ہیں، اے اللہ تو ہم کو سیدھے راستہ پر چلا، ان کا راستہ جن پر تیرا انعام ہوا، نہ ان کا جن پر تیرا غضب ہوا، اور نہ ان کا جو راہ راست سے بھٹک کر اپنی منزل مقصود کا راستہ کھو بیٹھے ہیں،

اب راہ راست کی ان تین قیدوں کی تشریح ضروری ہے جن میں سے پہلی قید تو تخصیصی ہے، اور پچھلی قیدیں احترازی ہیں، تخصیصی قید یہ ہے کہ یہ سیدھا راستہ جس پر چلائے جانے کی درخواست ہے، وہ خاص ان بزرگوں کا راستہ ہو جن پر انعام ربانی اور فضل الٰہی کی بارش ہوتی ہے، دو احترازی قیدیں یہ ہیں کہ ان کی راہ سے ہم کو بچایا جائے جن پر ان کی نافرمانی کے سبب سے اللہ تعالیٰ کا غضب نازل ہوا، اور نہ ان کا راستہ جو اپنی غلط روی کے باعث منزل مقصود سے دور جا پڑے ہیں قرآن پاک میں جابجا یہ تصریحات ہیں کہ یہ انعام یافتہ گروہ کون ہے اور جن پر غضب ہوا وہ کون ہیں، اور جو راہ راست کو کھو بیٹھے ہیں، وہ کون ہیں، قرآن پاک کی اصطلاح میں صراط مستقیم وہ راہ ہے جس پر انبیاء علیہم السلام چلے اور جن پر چلنے کی اللہ کے بندوں کو دعوت دی، ارشاد ہے:۔

اِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِیْنَ عَلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ (یٰس)

اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم تو پیغمبروں اور صراط مستقیم پر ہے،

دوسری جگہ ہے:۔

وَاِنَّكَ لَتَهْدِیْ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ (شوریٰ ۵)

اور اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم تو لوگوں کو صراط مستقیم پر چلنے کی دعوت دیتا ہے،

فَهَدَی اللّٰهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لِمَا اخْتَلَفُوْا فِیْهِ مِنَ الْحَقِّ بِاِذْنِهٖ وَاللّٰهُ یَهْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ (بقرہ ۲۶)

یعنی اہل کتاب یہود و نصاریٰ نے جو دین کی مختلف راہیں نکالدی ہیں، اللہ تعالیٰ اپنے خاص بندوں کو جو ایمان سے سرفراز ہیں ان سب سے بچا کر نبیوں اور صالحوں کے سیدھے راستہ پر چلاتے ہیں،

سورۂ انعام کے انیسویں رکوع میں عقائد، عبادات، معاملات اور اخلاق کے اہم احکام کی تفصیل کے بعد ارشاد ہے،

وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِیْ مُسْتَقِیْمًا فَاتَّبِعُوْهُ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِیْلِهٖ ذٰلِكُمْ وَصّٰكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ (انعام ۱۹)

اور یہ کہ میری سیدھی راہ، سو اس پر چلو اور مت چلو دوسرے راستوں پر کہ وہ تم کو اللہ کے راستہ سے بٹا دیں گے، یہ کہدیا ہے تاکہ تم بچ سکو،

ان شہادتوں سے ثابت ہے کہ صراط مستقیم انبیاء اور صلحاء کے راستہ کا نام ہے جس کے انبیاء علیہم السلام رہنما ہیں

اور جس کا دوسرا نام شریعت ہے، اس کے لفظی معنی بھی راستہ ہی کے ہیں، صراط مستقیم کے کہنے ہی سے گو راستہ متعین ہو چکا ہے مگر انسان کا تقاضا اور رحمت الٰہی کا مطالبہ یہ تھا کہ اس راستہ کی مزید توضیح ایسی کر دی جائے جس سے اس راستہ پر چلنے والے کا انجام بھی نظر کے سامنے آجائے، تو فرمایا وہ راستہ جس پر وہ گروہ چلا جو اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم اور انعام و الطاف سے سرفراز ہوا اور نہ ان کا راستہ جو مغضوب اور گمراہ گروہوں کا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ اس سیدھے راستہ پر چلنے کا انجام انعام و اکرام الٰہی ہے اور جس کے چھوڑ دینے کا نتیجہ اللہ تعالیٰ کے غضب کا نزول اور منزل مقصود سے بعد اور دوری ہے،

اب ہم کو اس انعام یافتہ گروہ کا پتہ چلانا ہے، سورۂ نساء رکوع ۹ میں ہے،

وَلَوْ اَنَّهُمْ فَعَلُوْا مَا یُوْعَظُوْنَ بِهٖ لَكَانَ خَیْرًا لَّهُمْ وَاَشَدَّ تَثْبِیْتًا وَّاِذًا لَّاٰتَیْنٰهُمْ مِّنْ لَّدُنَّاۤ اَجْرًا عَظِیْمًا وَّلَهَدَیْنٰهُمْ صِرَاطًا مُّسْتَقِیْمًا وَمَنْ یُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِیْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَیْهِمْ مِّنَ النَّبِیّٖنَ وَالصِّدِّیْقِیْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِیْنَ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِیْقًا ذٰلِكَ الْفَضْلُ مِنَ اللّٰهِ وَكَفٰی بِاللّٰهِ عَلِیْمًا (نساء ۹)

اور اگر وہ بھی کریں جو ان کو کہا جاتا ہے تو ان کے حق میں بہتر ہو، اور زیادہ ثابت ہو دین میں اور اس وقت ہم ان کو اپنے پاس سے بڑا ثواب دیں اور ان کو سیدھی راہ پر چلائیں، اور جو لوگ اللہ اور رسول کے حکم پر چلتے ہیں، وہ ان کے ساتھ ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنے انعام سے نوازا ہے نبی اور صدیق اور شہید اور صالح خوب ہے ان کی رفاقت یہ ہے اللہ تعالیٰ کی طرف سے فضل

ان آیتوں میں سیدھے راستہ پر چلنے والے اطاعت گذار گروہوں کے چار نام یا اوصاف بتائے گئے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی نوازش اور مقبولیت سے سرفراز ہیں، یعنی انبیائے کرام علیہم السلام جو انسانی جماعتوں میں سب سے اعلیٰ درجہ کے بندے اور سرفراز افراد کے نام ہیں، جن سے بڑھ کر رہنمائی اور انسانیت کے رہبروں کے لئے رہبری اور بشر کی اصلاح اور ہدایت کے لئے اللہ تعالیٰ نے دوسرا نمونہ نہیں بنایا، اس کے بعد ان تین گروہوں کے نام آئے جو ان رہنماؤں اور رہبروں کے راستہ پر چل کر صدیقیت اور شہادت، اور صلاح و فلاح کی منزلوں پر پہنچے ہیں، اور جنھوں نے اللہ تعالیٰ کے ان بتائے اور دکھلائے ہوئے نمونوں کو دیکھ کر اپنے کو درست کیا، اور دوسرے انسانوں کے لئے نمونہ ہے،

اب ہم کو ان دو احترازی قیدوں کی طرف متوجہ ہونا ہے، جن کے راستہ پر چلنے سے ہم کو اللہ تعالیٰ نے روکا ہے، ان میں سے پہلے گروہ کا نام مغضوب ہے، اور جن سے رحمت الٰہی مسلوب ہے، گو روایات میں تصریح ہے کہ یہ گروہ یہود ہے، مگر قرآن پاک میں بھی یہ تصریح ہے کہ اس غضب الٰہی کے مورد یہود ہوئے، اور یہود کے تبع میں (بقرہ، رکوع ۷) میں ہے

ضُرِبَتْ عَلَیْهِمُ الذِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ وَبَآءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ (بقرہ ۷)

اور ڈالی گئی ان پر ذلت اور بیکسی اور کما لائے اللہ کا غضب اور غصہ،

پھر اسی سورہ کے رکوع ۱۱ میں ہے کہ پہلے وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے انکار پر غضب کے مورد بنے، اور آخری دفعہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے انکار و کفر پر ہمیشہ کے لئے غضب پر غضب کے مستحق ٹھہرے،

فَبَآءُوْ بِغَضَبٍ عَلٰی غَضَبٍ (بقرہ ۱۱)

وہ غضب پر غضب یعنی دوہرے غضب کے مستحق ہو

اور اب ہمیشہ کے لئے لعنت اور غضب الٰہی کی آگ میں ڈال دیئے گئے، اور ہمیشہ کے لئے ان پر یہ حکم جاری کیا گیا، کہ اب دنیا کا کوئی

گو شہ ان کو اپنے دامن میں پناہ نہیں دیسکتا، وہ دولتمندی کے باوجود مفلس اور ذلیل وخوار رہیں گے، اور یہ حکم الٰہی ہوگیا کہ کسی دوسری ظالم قوم کے غلام رہیں گے، اگر ان کو ہنگامی پناہ وقتاً فوقتاً ملے گی بھی تو ان کی دولت کے بٹورنے کی خاطر باری باری سے دولت پرست قومیں اپنی گود میں لیں گی، اور ان کی جیبیں خالی کرکے ان کو پھر زمین پر پٹک دیں گی، ارشاد ہوا:۔

ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ أَيْنَ مَا ثُقِفُوا إِلَّا
بِحَبْلٍ مِنَ اللَّهِ وَحَبْلٍ مِنَ النَّاسِ وَبَاءُوا
بِغَضَبٍ مِنَ اللَّهِ وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الْمَسْكَنَةُ
ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ كَانُوا يَكْفُرُونَ بِآيَاتِ اللَّهِ وَ
يَقْتُلُونَ الْأَنْبِيَاءَ بِغَيْرِ حَقٍّ ۚ ذَٰلِكَ بِمَا عَصَوْا
وَكَانُوا يَعْتَدُونَ، (آل عمران - ۱۲)

ان یہود پر ذلت پھینک ماری گئی جہاں وہ پائے جائیں، لیکن اللہ کی دستاویز اور لوگوں کی دستاویز سے یہ اس واسطے کہ وہ اللہ کے احکام کے ماننے سے، انکار کرتے رہے، اور نبیوں کو ناحق قتل کرتے رہے، یہ خصلت ان میں اس لئے آئی، کہ وہ بے حکم اور حد سے بڑھ جانے والے تھے،

الغرض یہود پر اس غضب الٰہی کا نزول اور محکومی کی ذلت اور مسکنت اور قومی خواری کی لعنت میں وہ اس لئے گرفتار کئے گئے، کہ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے قبول سے منکر ہوئے، اور اب ان کی لعنت اس نبی آخر الزمان علیہ السلام پر ایمان اور اتباع کے سوا کسی اور تدبیر سے دور نہیں ہو سکتی، اور یہ بھی معلوم ہوا کہ جو کوئی گروہ بھی انبیاء کی راہ چھوڑے گا، اور ان کی لائی ہوئی اور بتائی ہوئی صراط مستقیم سے منہ موڑے گا، اس کے لئے یہی جزا ہے،

وَمَنْ يُهِنِ اللَّهُ فَمَا لَهُ مِنْ مُكْرِمٍ (حج - ۲) اور جسکو اللہ ذلیل کرے اسکو کوئی عزت دینے والا نہیں،

عزیزے کہ از درگہش سر بتافت بہر در کہ شد ہیچ عزت نیافت

یہود کی پوری تاریخ آغاز سے لے کر اس زمانہ تک قرآن پاک کی صداقت پر شاہد صادق ہے،

حضرات! اب ہم کو تیسرے گروہ کا پتہ لگانا ہے، جو راستہ سے بھٹکا ہے، منزل مقصود سے دور چلا گیا ہے، اگرچہ روایات سے واضح ہے کہ یہ نصاریٰ کا گروہ ہے، لیکن قرآن پاک کی آیتیں خود بھی اس گروہ کا صاف صاف پتہ اور نشان بتا رہی ہیں، نصاریٰ کے ذکر کے سلسلہ میں ہے، اس سے پہلے تثلیث کا ذکر ہے، پھر ان کی مجسمہ پرستی کا اس کے بعد یہ آیتیں ہیں

قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لَا تَغْلُوا فِي دِينِكُمْ غَيْرَ الْحَقِّ
وَلَا تَتَّبِعُوا أَهْوَاءَ قَوْمٍ قَدْ ضَلُّوا مِنْ قَبْلُ
وَأَضَلُّوا كَثِيرًا وَضَلُّوا عَنْ سَوَاءِ السَّبِيلِ
(مائدہ - ۱۰)

اے اہل کتاب اپنے دین میں ناحق غلو نہ کرو اور ان لوگوں کے خیال پر نہ چلو جو تم سے پہلے راستہ سے بھٹکے تھے اور بہتوں کو گمراہ کیا تھا اور سیدھی راہ بھولے تھے،

اسی غلو فی الدین کی نصرانی حقیقت کا اظہار سورۂ نساء میں کیا گیا ہے،

يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لَا تَغْلُوا فِي دِينِكُمْ وَلَا
تَقُولُوا عَلَى اللَّهِ إِلَّا الْحَقَّ ۚ إِنَّمَا الْمَسِيحُ
عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ رَسُولُ اللَّهِ وَكَلِمَتُهُ (نساء - ۲۳)

اے اہل کتاب نہ زیادتی کرو اپنے دین میں اور نہ کہو اللہ پر مگر حق بیشک مسیح بن مریم اللہ کے رسول اور اس کا کلمہ تھے،

بعض علمائے محققین نے لکھا ہے کہ یہود کا جرم احکام الٰہی میں تفریط اور کمی ہے، اور نصاریٰ کا جرم افراط یعنی احکام الٰہی میں زیادتی ہے، جس کو قرآن پاک نے غلو کہا، تفریط غضب الٰہی کے نزول کا اور افراط ضلالت کا موجب ہے،

اس تفصیل سے یہ بات ہویدا ہے کہ امت محمدیہ کو ہر نماز کی ہر رکعت میں یہ تاکید ہو کہ یہ دعا مانگو کہ بار الٰہا ہم کو نبیوں کی راہ پر چلنے کی توفیق عنایت فرما، اور یہود و نصاریٰ جو تیرے مغضوب اور تیری راہ سے بھٹکے ہوئے ہیں، ان کے راستوں اور طریقوں سے ہم کو بچا، اس موقع پر یہ بھی سمجھنا چاہئے کہ مغضوب اور ضال جس طرح اہل کتاب ہیں، ہیں اپنی اپنی مزاجی مناسبت کی بنا پر وہی صورتیں متابعت شبہہ اہل کتاب میں بھی ہیں، جن کی دو جماعتوں سے ہم کو قرآن نے واقف کرایا ہے، اور وہ مجوس اور صابئین ہیں، جن میں ایران قدیم اور ہند قدیم کے باشندے بھی داخل ہیں، ان کے راستوں اور طریقوں کی پیروی بھی انبیاء علیہم السلام کے راستوں سے دور لے جاتی ہے،

انبیاء علیہم السلام کے بالمقابل انسانی رہبری و رہنمائی کے مدعی گروہ کا نام حکما ہے، جن کا دعویٰ ہے کہ وہ انسانی زندگی کے ہر شعبہ کا فیصلہ اپنی عقل و ذہنی حکمت سے کر سکتے ہیں، اور وحی الٰہی کے علم و معرفت سے مستغنی ہیں، اس لئے جن قوموں نے انبیاء کو چھوڑا ہے، انھوں نے یا تو براہ راست حکماء کی راہ اختیار کی، یا حکماء اور انبیاء کے علوم اور تعلیمات میں اس طرح تطبیق اور مصالحت کی کوشش کی ہے کہ عقل پرستوں کے علوم و تعلیمات کو صحیح و صادق باور کرکے انبیاء علیہم السلام کے علوم و تعلیمات میں تاویل فاسد کی راہ اختیار کی ہے، انبیاء علیہم السلام کے امتیوں میں یہ راہ سب سے پہلے یہود نے اختیار کی، دیکھئے جب مصر سے نکل کر دریا پار ہوتے ہیں، تو سامری مصری دیوتا کی طلائی مورت بچھڑے کی شکل میں بنی اسرائیل کے سامنے پیش کرتا ہے، اس وقت بنی اسرائیل پکار اٹھتے ہیں، کہ یہی تمہارا اور موسیٰ کا خدا ہے، هَٰذَا إِلَٰهُكُمْ وَإِلَٰهُ مُوسَىٰ، اور بنی اسرائیل سربسجود ہو جاتے ہیں، اور جب حضرت موسیٰ علیہ السلام اس سے مواخذہ فرماتے ہیں، تو صاف کہتا ہے:۔

بَصُرْتُ بِمَا لَمْ يَبْصُرُوا بِهِ فَقَبَضْتُ قَبْضَةً
مِنْ أَثَرِ الرَّسُولِ فَنَبَذْتُهَا وَكَذَٰلِكَ سَوَّلَتْ
لِي نَفْسِي، (طٰہٰ - ۵)

میں نے وہ دیکھا جو انھوں نے نہیں دیکھا، پھر میں نے اس فرستادہ خداوندی کے نقش قدم سے ایک مٹھی بھر خاک اٹھائی تھی، سو میں نے وہ مٹی اس کے اندر ڈال دی اور میرے جی کو بھی یہی بات بھائی،

آگے بڑھکر جب بنی اسرائیل کسی دوسری بت پرست قوم کے درمیان پہنچتے ہیں، تو اپنے نبی سے فرمایش کرتے ہیں کہ

اجْعَلْ لَنَا إِلَٰهًا كَمَا لَهُمْ آلِهَةٌ، (اعراف - ۱۶)

جیسے ان کے دیوتا ہیں ہمارے لئے بھی ایک دیوتا بنا دیجئے،

موجودہ تورات میں بار بار یہ ذکر ملتا ہے کہ بنی اسرائیل نے غیر قوموں کے معبودوں کے آگے سر جھکایا، حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام تشریف لائے، تو ان کا انکار کیا، ان کو طرح طرح سے ستایا، جن حواریوں نے ان کو نبی مانا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تشریف بری کے بعد حواریوں کی گمراہی کے لئے یہودی ہی آگے بڑھے، اور انہی میں کے ایک نئے مدعی الہام کے آگے بڑھکر تثلیث پرستی وغیرہ کے فاسد عقیدے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دین میں داخل کئے، اور بالآخر ان کو گمراہ بنا کر چھوڑا، اور مصریوں اور یونانیوں کی دیومالا کی مالا ان کے گلے میں ڈال دی گئی، جس کو وہ اب تک ڈالے ہیں، پھر اسلام کے ظہور کے بعد امت محمدیہ مسلمہ کا جب وجود ہوا تو ان دونوں گروہوں نے مل کر اس نئی جماعت کی گمراہی کی جا بیجا سازشیں شروع کیں، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے مطلع فرمایا،

وَدَّتْ طَائِفَةٌ مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ

اہل کتاب میں سے کچھ لوگ دل سے چاہتے ہیں،

لَوْ یُضِلُّوْنَکُمْ (آل عمران - ۷۰) کہ تم کو گمراہ کردیں،

اہل تاریخ جانتے ہیں کہ اسلام میں سب سے پہلا فتنہ یہود نے کیونکر پیدا کیا، اور شعبدہ اہل کتاب مجوسیوں نے اس چنگاری کو پھونک پھونک کر ضلالت کا آتشکدہ کیونکر تیار کیا، پھر جب دمشق اور بغداد میں مسلمانوں کی حکومتوں کے تخت بچھے، تو یہی تھے جنھوں نے قرآن پاک کے ساتھ ساتھ ارسطو و افلاطون کے نسخوں کو آمیز کرکے اسلام کے عقائد و اعمال کا نیا صحیفہ بنا کر پیش کردیا،

اے حضرات! بہتر ہو کہ اس موقع پر ماضی کی داستان تہ کردی جائے اور حال کی کہانی سنائی جائے، سب کو معلوم ہے کہ یہود نے جب سے یورپ کی زمین میں یونانیوں کے زمانہ سے قدم رکھا ہے، اور وقتاً فوقتاً مختلف ملکوں کی عیسائی قوموں کے بظاہر زیر سایہ رہ کر ان پر ذہنی و علمی اور مالی فرمانروائی کی ہے، اور جب اس قوم کو تنبہ ہوا ہے، تو اس نے ان کے خلاف ہنگامہ برپا کرکے ان کو تہ تیغ کرکے اور ان کی لوٹی ہوئی دولت کو تصرف میں لاکر خود ان کو اپنے ملک سے جلا وطن کرکے اپنی گلو خلاصی کی ہے، یہ واقعہ ایک دفعہ نہیں بلکہ یورپ میں بار بار پیش آیا ہے، اور جس کی آخری مثال نازی ہٹلر کی صورت میں ہمارے اور آپ کے زمانہ میں بھی پیش آئی،

یورپ کا ہر فتنہ اور ذہنی انقلاب کا ہر ہنگامہ جو دنیائے نصاریٰ میں رونما ہو رہا ہے، اس کی تہ میں جو قوت کارفرما ہوتی ہے وہ یہودی ہوتی ہے، وطنیت کا فتنہ، بین الاقوامیت کا فتنہ، ڈیموکریسی کا فتنہ، سوشلزم کا فتنہ، بالشوازم کا فتنہ، ان میں سے کون چیز ہے جو یہود کی دماغی سرکشی اور ذہنی طغیان خیال کی ممنون نہیں، آج یورپ اور امریکہ میں ایک طرف سرمایہ پرستی اور جمہوریت کا پرانا علم ہے اور دوسری طرف مزدوروں اور کسانوں کی دعوت کی غلط صورت اور سوشیلسٹ تحریک کی لادینی حکومت کے کیمپ لگے ہوئے ہیں، اور دونوں چیزیں یہودیوں کی طاغیانہ رہنمائی اور نصاریٰ کی گمراہی کے دوگونہ عناصر سے مرکب ہیں، اور ساری دنیا ان دونوں طغیانی و گمراہی کے فتنوں میں سر سے پاؤں تک مبتلا ہے، افسوس کہ وقت کا تقاضا ان متخاصمین کی اصلی حالت کی تفصیل و تشریح و تطبیق کی اجازت نہیں دیتا،

آج ہمارے اسلامی ممالک خواہ وہ اپنے کو آزاد کہیں یا غلام، حاکم کہیں یا محکوم، کیا انہی دو فتنوں میں سے کسی ایک میں مبتلا نہیں، اب یاد کیجئے، رب العالمین مالک یوم الدین نے اول روز سے ہم کو یہ بتایا تھا، کہ تم ہمیشہ ہر ایک حال اور اپنی ہر ایک چال میں انبیاء علیہم السلام کے راستہ پر قائم رہنا اور مغضوب اور ضال قوموں کے راستوں سے بچتے رہنا، مگر کیا یہ واقعہ نہیں، کہ ہم نے اس کا الٹا کیا، یعنی انبیاء کے راستہ کو چھوڑ کر مغضوب اور ضال قوموں کی راہوں کو اختیار کیا، اور آج بھی یہی حال ہے، آج مسلمانوں کی ہر جماعت خواہ وہ کسی ملک میں ہو اپنی ترقی و اصلاح اور سعادت کے لئے انبیاء علیہم السلام کی طرف نہیں، بلکہ انہی مغضوب اور ضال قوموں کی امامت کی اقتدار کے لئے بے قرار ہے، وضع و قطع، تراش و خراش، صورت و سیرت، تعلیم و تربیت، تہذیب و تمدن، اخلاق و عادات، رفتار و گفتار، تجارت و اقتصاد و معاملات اور حکومت و سلطنت غرض زندگی کے ہر شعبہ میں اس کا رخ انبیاء علیہم السلام کی طرف ہے، یا مغضوب و ضال قوموں کی طرف ہے، ہم زبان سے تو کہتے ہیں کہ منہ میرا طرف کعبہ شریف کے، مگر رفتار کی سمت لندن، پیرس، ماسکو، برلن اور نیویارک ہے، زبان سے تو اپنی سعادت اور ہدایت کو انبیاء علیہم السلام کی اور خصوصاً سرور کائنات احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی میں منحصر جانتے ہیں، مگر دل میں اپنی ترقی کا راز یورپ اور امریکہ کی پیروی میں منحصر مانتے ہیں، ہم میں سے بعضوں نے جو دانشمندی کے مدعی ہیں، دین اور دنیا کے دو حصے کر رکھے ہیں، اور دین میں انبیاء کی اور دنیا میں ان مغضوبوں اور

گمراہوں کی پیروی کے داعی ہیں، لیکن دین و دنیا کی یہ تقسیم کی تاویل بھی انہی گمراہوں کی تعلیم کا اعادہ ہے، جنھوں نے اپنے آسمانی صحیفوں میں یہ لکھا پایا ہے، کہ "جو قیصر کا ہے، وہ قیصر کو دو، اور جو خدا کا ہے، وہ خدا کو دو" گویا وہ دو خداؤں کے قائل ہیں، قیصر جو دنیا پر حکومت کرتا ہے، اور خدا جو آسمان پر فرمانروا ہے، لیکن انبیاء علیہم السلام کی تعلیم میں وہ واحد ہے، وہ قیصر کون ہے جو خدا کے ساتھ برابر کی حکومت کا دعویدار ہے، لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (آسمانوں اور زمین کی بادشاہی اللہ ہی کی ہے) ان مغضوب و ضال قوموں کی ایجاد و اختراع، دولت و طاقت، حکومت و سلطنت کی ظاہری چمک دمک نے ہماری آنکھوں کو خیرہ کردیا ہے، ان کی عریانی و بے پردگی ان کی نفس پرستی و ہوسناکی و خود پسندی، ان کے تکبر و استکبار، ان کے کفر و عصیان کی ہر تصویر ہمارے دل کو پسند ہے، ہمارے بچے، جوان، بوڑھے، عورت اور مرد ہر ایک اس کوشش میں ہے کہ وہ یہود و نصاریٰ کے اس مشترکہ پیدا کردہ تہذیب و تمدن، طور و طریق، شکل و لباس، تعلیم و تربیت کی راہوں کی اقتداء کی تیز تیز دوڑ میں دوسروں سے آگے بڑھ جائے، اور ہر اس ناصح کی تکذیب میں مصروف ہے، جو ان کو ان مغضوبوں اور گمراہوں کی پیروی سے باز رکھنے کی کوشش کرے، آج مسلمان نوجوان اپنی زندگی کے ہر پہلو میں اپنی ملت کے رہنمائے اقدس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نمونہ نہیں، بلکہ لینن، اسٹالن، ہٹلر، مسولینی، چرچل اور روز ویلٹ کے نمونوں کی تلاش اور ان کے روپ بھرنے میں ہر طرح کوشاں ہیں، اور انہی کی پیروی میں مسلمانوں کی نجات سمجھتے ہیں، انا للہ و انا الیہ راجعون،

اہل سیاست کو موجودہ مغضوب و ضال قوموں کے مذموم تمدن و تہذیب، مکروہ اور بے آئین نظام سلطنت و حکومت، ظالمانہ طریق حکمرانی و فرمانروائی، گمراہانہ طریق تعلیم و تربیت، فاسد اخلاق و کردار اور قزاقانہ اقتصاد، وحشیانہ طاقت اور مجرمانہ سیاست پر افسوس نہیں، بلکہ اس پر حسرت ہے، کہ اس مجرم گنہگار، عریان، خوشنما، فاسد الاخلاق قزاق اور وحشی طاقت کے حکمران و فرمانروا اور ظالم نظام اقتصاد اور فاسد اصول قضا و عدالت کے مالک ہم کیوں نہ ہوئے، ان کو یہ افسوس نہیں کہ شیطان کا یہ تخت جبروت کیوں بچھا ہے، بلکہ یہ افسوس ہے کہ ہم اس پر کیوں بیٹھے نہیں، ان کو شیطان کے تخت الٹنے کی فکر نہیں، بلکہ اس پر جلوس فرمانے کی فکر مستولی ہے،

مسلمان مدت سے اس حالت میں ہیں کہ وہ اپنے کو بھول گئے ہیں، اور دوسری قوموں کی نقالی میں دن رات ہیں، اسلام ایک مستقل نظام حیات، نظام اقتصاد، نظام سیاست اور نظام اخلاق کا نام ہے، خود اپنے نظامات سے روگردان ہو کر یا ان میں ترمیم و تبدیلی کرکے دنیا کے دوسرے ناقص و فاسد نظامات کو اختیار کرنے میں اپنی زندگی کی نجات سمجھتے ہیں، ترکی، مصر، شام، عراق، افغانستان، شمالی افریقہ، ہندوستان، غرض وہ جہاں کہیں بھی ہیں، خواہ وہ حاکم ہوں یا محکوم، یورپ کی نقالی کو اپنی نجات کا واحد ذریعہ سمجھتے ہیں، وہ دنیا میں قیصریت اور کسرویت کے علمبردار اور پیغمبروں کے بجائے ہلاکوؤں اور چنگیزوں کے جانشین بن گئے،

آج انقلاب کا عہد ہے، مسلمانوں کو چاہئے کہ وہ پھر سے اپنی رفتار کی سمت اور زندگی کے مقصد کو درست کریں، وہ اللہ کے محکوم، اس کی شریعت کے حامل اور دنیا میں اس کی شہنشاہی کے نمائندہ ہیں، ان کو پہلے اللہ کے قانون کو خود اپنے اوپر اور پھر اس کے بعد دوسروں کے اوپر نافذ کرنا چاہئے،

مسلمانوں کو ان معنوں میں قوم نہیں کہنا چاہئے جن معنوں میں رنگ اور نسل و نسب اور وطن کے اجزاء ترکیبی سے دنیا میں قومیں بنائی جاتی ہیں، بلکہ انسانی جماعتوں کا وہ ایسا مجموعہ ہیں، جن کے ترکیبی اجزاء خاص خیالات، خاص عقائد،

خاص اعمال، خاص اخلاق، خاص تمدن، خاص اصولِ سلطنت وحکمرانی ہین، اسی لئے وہ دوسری قومون کے ساتھ متحد
ومحکوم ہوکر نہین بلکہ مصالحانہ، معاہدانہ اصول پر دوست بن کر زندگی بسر کر سکتے ہین، ورنہ ان کا وجود دوسری قومون کے ساتھ
مخلوط ہوکر پائدار نہ ہوگا، خصوصیت کے ساتھ اس احاطہ بمبئی مین جہان مسلمان تعداد مین نسبتہ کم ہین اور دنیا بھر کی مختلف
قومون، مذہبون اور فرقون کے سمندر مین غرق ہین،

اے حضرات! ضرورت ہے ذہنیت کے بدلنے، خیالات کے پلٹنے اور صحیح فکر کو سامنے رکھنے، اور صحیح نصب العین کو
اپنے دل مین جگہ دینے کی، جہان تک جمعیت العلمائے بمبئی کا تعلق ہے، اس مقصد کو حسب ذیل طریقون سے حاصل کیا جاسکتا ہے،

(۱) بمبئی مین ایک عظیم الشان مذہبی درس گاہ کا قیام عمل مین آئے، جس مین صحیح تعلیم وتربیت کی پوری نگرانی وحفاظت ہو،

(۲) یہان کی مسجدون مین قرآن پاک کے عام فہم درس کا انتظام کیا جائے، جس سے عام مسلمانون کو اپنے دین
کی صحیح واقفیت ہو،

(۳) عام ماہانہ مواعظ کے ذریعہ سے اخلاق وعاداتِ فاسدہ اور شادی وغمی کے بے جا مراسم کی اصلاح ہو،

(۴) وقتاً فوقتاً اردو اور گجراتی ومرہٹی زبانون مین اسلامی رسالون کی اشاعت کا سامان کیا جائے،

(۵) ایسی مخلص جماعتین بنائی جائین، جو محلہ محلہ مین پھر کر مسلمانون میں کلمۂ توحید کی تلقین اور نماز کی تاکید کرین،

تابعینؓ

علم وعمل اور مذہب واخلاق میں صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے سچے جانشین اور ان کے تربیت یافتہ تابعین کرام رضی اللہ عنہم تھے
اور صحابۂ کرام کے بعد ان ہی کی زندگی مسلمانون کے لئے نمونۂ عمل ہے، اس لئے سیر الصحابہ کی تکمیل کے بعد دار المصنفین نے اس مقدس گروہ
کے حالات کا یہ تازہ مرقع مرتب کیا ہے، اس مین حضرت عمر بن عبد العزیزؓ، حضرت حسن بصریؓ، حضرت اویس قرنیؓ، حضرت امام
زین العابدینؓ، حضرت امام باقرؓ، حضرت امام جعفر صادقؓ، حضرت محمد بن حنفیہؓ، حضرت سعید بن مسیبؓ، حضرت محمد بن سیرینؓ
حضرت ابن شہاب زہریؓ، امام ربیعۃ الرائیؒ، امام مکحول شامیؒ، قاضی شریحؒ وغیرہ چھیانوے اکابر تابعینؓ کے سوانح ان کے
علمی، مذہبی، اخلاقی اور علمی مجاہدات اور کارنامون کی تفصیل ہے،

مرتبہ شاہ معین الدین احمد ندوی، ضخامت ۵۰۰ صفحے قیمت: للعہ

اشتراکیت اور اسلام

ازمسعود عالم ندوی

جس مین اسلام اور اشتراکیت کی تعلیمات کے تقابلی مطالعہ اور اشتراکیت کے خلافِ فطرت معاشی اصولون کی
علمی وفنی تنقید کی گئی ہے، نیز اس کے مابعد الطبیعی نظریون پر ایک ناقدانہ نظر بھی ڈالی گئی ہے، ضخامت ۲۰۰ صفحے قیمت عہ

منیجر

غیر اسلامی ممالک مین

سود و قمار وغیرہ کا حکم

از

مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی تھانوی استاذ دینیات ڈھاکہ یونیورسٹی

جون سنہ ۴۵ء کے معارف مین مولانا گیلانی کا ایک مضمون عنوان بالا کے تحت مین نظر سے گذرا جو اسلامی معاشیات کے سلسلہ
مین بطور تحتانی عنوان لایا گیا ہے، یہ سلسلہ بہت ہی نافع اور مفید ہے، جو مولانا کی وسعتِ نظر پر دال ہے، اور ان لوگون کے لئے جو
اسلام مین مسائل معاشیات کے منکر ہین، یا یہ سمجھتے ہین کہ مذہبِ اسلام مین اس باب کو مکمل طور سے نہین بیان کیا گیا، بہت کچھ
سبق آموز ہے، مگر کاش مولانا اس باب مین اس مسئلہ کو نہ چھیڑتے، جس پر اس وقت مجھے قلم اٹھانا پڑا ہے، اگر مولانا اس مسئلہ پر
مقلدانہ طریق سے ہی کلام فرماتے، تو مجھے کچھ لکھنے کی ضرورت نہ تھی، کیونکہ مقلد کو اپنے امام کے قول پر فتوی دینے اور اس پر تفریع
کرنے کا حق ہے، گو ہنوز یہ امر بھی محلِ کلام ہے کہ جس اطلاق کے ساتھ مولانا گیلانی دار الحرب مین ربا وقمار کو جائز کر رہے ہین وہ
امام اعظم کا مذہب ہے بھی یا نہیں؟ امام اعظم اور ان کے شاگرد امام محمد بن حسنؒ کے اصلی الفاظ اس مسئلہ مین کیا ہین، اور کتب
فتاوی مین جو کچھ مذکور ہے، وہ ان کے الفاظ کا مفہوم ہے یا نہین؟ یہ مباحث علٰحدہ حیثیت سے لائق غور ہین، لیکن ایک مقلد کو
دائرۂ تقلید سے باہر قدم نکالتے ہوئے تو گردوپیش کے تمام پہلوؤن پر نظر کر لینا ضروری ہے، افسوس ہے کہ مولانا گیلانی نے ایسا
نہین کیا، اور بڑی عجلت مین ان لوگون سے جو اس مسئلہ مین امام ابو حنیفہؒ کے مسلک پر چلنے کو خلاف احتیاط سمجھتے ہین یہ مطالبہ
کر ڈالا کہ "قرآن وحدیث واجماع وقیاس الغرض کسی شرعی دلیل سے الحربی کے اموال کی عدم اباحت کا ثبوت پیش کر سکتے ہون
تو پیش کرین" (معارف جون سنہ ۴۵ء ص ۴۳۸)

میری سمجھ مین نہین آیا، کہ مولانا کو ان سے اس مطالبہ کا حق کس قاعدہ سے حاصل ہے؟ اگر وہ بقاعدہ مناظرہ گفتگو
فرمارہے ہین، تو دوسری جماعت منکرِ اباحت ہے، اور مولانا مدعی، اور بالاتفاق بارِ ثبوت بذمہ مدعی ہے نہ بذمۂ منکر، اور اگر فقہی اصول
سے گفتگو کی جارہی ہے، تو دوسری جماعت احل اللہ البیع وحرم الربوا کو قید مکان سے مطلق مانتی ہے، اور مولانا اس کو
دار الاسلام کی ساتھ مقید کرتے ہین، اور مطلق کا اپنے اطلاق پر ہونا اصل ہے، تو جو اطلاق کا قائل ہے، وہ متمسک بالاصل ہے اس
کے ذمہ بارِ ثبوت نہین، بارِ ثبوت اس کے ذمہ ہے جو مطلق کو مقید قرار دے رہا ہے، ان کو اس کی وجہ خود بتلانا چاہئے کہ جب احل
اللہ البیع مطلق ہے، کہ حلت بیع کسی مکان کی ساتھ مقید نہین تو اس کا قرین "وحرم الربوا" دار الاسلام سے کیون مقید ہے،

اسی طرح آیت:-

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَ	اے ایمان والو! شراب اور جوا اور یہ (بتون کے) مجسمے اور
الْأَنْصَابُ وَالْأَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ،	(فال لینے کے) تیر یہ سب پلید ہین شیطانی کام ہین اور کچھ نہین ۱۲،

ہیں خمر و انصاب و ازلام کی حرمت مسلمانون کے لئے مطلق ہو یعنی نہ دار الاسلام مین اس کی اجازت ہے، نہ دار الحرب مین، پھر حرمت میسر (قمار) دار الاسلام سے کیون مقید ہے، حالانکہ وہ خمر وغیرہ کے ساتھ ساتھ مذکور ہے، شریعت نے زنا کو حرام کیا ہو تو وہ ہر جگہ حرام ہے یہی حال حرمت ربوا کا ہونا چاہئے، رہا یہ فرمانا کہ یہ معاملہ ربوا کا معاملہ ہی نہین، بلکہ ایک مباح مال کو قبضہ کرکے اپنی ملک بنانا ہو تو اس پر سوال یہ ہے کہ آپ کے پاس اس کی کیا دلیل ہے کہ یہ ربا کا معاملہ نہین کیونکہ لغتہً وعرفاً یہ عقد عقد ربا ہے، تعریف ربا اس پر صادق ہے، اور جب لغتہً وعرفاً یہ عقد عقد ربا ہے، تو یقیناً آیت کے تحت مین داخل ہو، اگر مولانا اس کو آیت ربوا سے خارج کرنا چاہتے ہین، تو کوئی دلیل قطعی پیش کرین، قرآن نے تو کفار اہل حرب ہی کے قول کو اس آیت میں رد کیا ہے،

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْٓا اِنَّمَا الْبَيْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا	یہ (عذاب) اس وجہ سے ہو کہ وہ کہتے ہین کہ بیع بھی
وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا،	تو ربا ہی کے مثل ہو حالانکہ اللہ نے بیع کو حلال کیا ہو،
(بقرہ - ۳۸)	اور سود کو حرام

مجھے یہ تبلایا جائے کہ انما البیع مثل الربوا کہنے والے کون لوگ تھے، ؟ جب قرآن نے کفار کے اس قول کو رد کیا ہے تو اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ اسلام کفار کے لئے بھی باہم عقد ربا کو جائز نہین رکھتا[1]، بلکہ بیع کو حلال اور ربوا کو حرام قرار دیتا ہے، جب کفار کے لئے بھی باہم یہ عقد جائز نہین، اسی لئے کفار اہل ذمہ و اہل صلح کو ہمیشہ ربا سے منع کیا گیا، اور بصورت مخالفت ان کو ناقض عہد صلح قرار دیا گیا تو مسلمانون کو کفار کے ساتھ اس عقد کی کیونکر اجازت ہو سکتی ہے، ؟ پس ثابت ہوا کہ کافر کا عقد ربا بھی لغتہً وعرفاً ربا ہے، اور اس آیت کے تحت مین داخل ہے،

اب اگر کوئی یہ دعوی کرے کہ مسلمانون کو کافر حربی سے سودی لین دین کی اجازت ہے، کیونکہ وہ حقیقت مین ربا نہین، اس کو دلیل قائم کرنا چاہئے، اور تبلانا چاہئے، کہ جو عقد لغتہً وعرفاً ربا ہے، وہ اس صورت مین ربا کیون نہین رہا، اور اگر مال حربی باوجود اس کے قبضہ و ملک مین ہونے کے ایسا مباح ہے، جیسے جنگلی جانور تو پھر کافر حربی سے کسی مال کا خریدنا بھی جائز نہ ہونا چاہئے، کیونکہ مال مباح جب تک مباح ہے، بیع وشراء کا محل نہین، پس کافر کے ساتھ عقد ربا کی اباحت اس کے ساتھ عقد بیع کی حرمت کو مستلزم ہوگی،

اگر کہا جائے کہ لغتہً وعرفاً تو یہ ربا ہے مگر شرعاً ربا نہین اور حدیث لَا رِبٰا بَيْنَ الْمُسْلِمِ وَالْحَرْبِيِّ فِي دَارِ الْحَرْبِ اس کی دلیل ہے، تو مولانا کو معلوم ہونا چاہئے، کہ یہ حدیث خبر واحد بھی ہے، اور ضعیف بھی، خبر واحد ہونا تو ظاہر ہے کیونکہ کسی نے

---

[1] اس کی مزید تائید آیت يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَذَرُوا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبٰوا، سے ہوتی ہے، کیونکہ تفاسیر و احادیث سے معلوم ہوتا ہے، کہ یہ بقایا سود جس کے چھوڑنے کا آیت میں حکم دیا گیا ہے زمانہ جاہلیت کا تھا جب کہ مکہ دار الحرب تھا، اگر یہ معاملہ حلال ہوتا، تو حلال معاملہ سے جو حق واجب ہو، اس کا مطالبہ ہر حال مین درست ہے، گو مطالبہ کے وقت وہ معاملہ ناجائز ہو، مثلاً ایک کافر نے دوسرے کافر سے ایک روپیہ کی شراب خریدی، ان کے لئے یہ معاملہ حلال تھا، پھر دونون مسلمان ہوگئے، تو باوجودیکہ اب ایسی بیع وشرا درست نہین، مگر پچھلا روپیہ وصول کرنا درست ہے، پس جب ربا مین پچھلا بقایا لینے کی اجازت نہ ہوئی تو معلوم ہوا کہ اس وقت بھی حلال نہ تھا، پھر جب حربی حربی مین درست نہ ہوا تو مسلم اور حربی میں کیسے درست ہوگا، فافہم،

بھی اس کو حدیث مشہور یا متواتر نہین کہا، وَمَنِ ادَّعٰى فَعَلَيْهِ الْبَيَانُ، اور ضعیف اس لئے ہے کہ امام صاحب نے اس کو حَدَّثَنَا بَعْضُ مَشْيَخَتِنَا عَنْ مَكْحُولٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کہکر بیان کیا ہے جس مین امام صاحب کے شیخ مجہول ہین اور مکحول سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم تک سند متصل نہین منقطع ہے،

آپ تقلید کی بنا پر یہ کہہ سکتے ہین، کہ چونکہ امام صاحب نے اس حدیث سے احتجاج کیا ہے، اس لئے صحیح ہے، مگر یہ تصحیح تقلیدی ہوگی نہ تحقیقی، اور اس وقت گفتگو تقلیدی نہین، کیونکہ آپنے دائرۂ تقلید سے نکل کر دوسرے علماء سے دلیل کا مطالبہ کیا ہے"، اور صورت اول میں بھی خبر واحد سے آگے یہ حدیث نہ بڑھے گی، اور حنفیہ کا اصول ہے، کہ نص قطعی کے اطلاق یا عموم کو خبر واحد سے مقید یا مخصوص کرنا جائز نہین،

اب آپ کے ذمہ امام صاحب کے اس قول کو خود ان کے اصول پر صحیح ثابت کرنا لازم ہے، اگر یہ کہا جائے کہ اموال اہل حرب مباح ہین، اس لئے وہ محل ربا ہی نہین پس امام صاحب نے آیت کے اطلاق کو باطل نہین کیا، کہ اس کو ربا مان کر جائز کہا ہو بلکہ ایک مستقل حکم مان کر بیان کیا ہے کہ اموال اہل حرب بوجہ اباحت کے محل ربا نہین ہین، اس کا ایک جواب تو اوپر گذر چکا ہو کہ اگر اموال اہل حرب مطلقاً مباح ہین تو ان کو آپس مین بھی معاملہ ربا جائز ہونا چاہئے، اور یہ نص کے خلاف ہے، اور اگر صرف مسلمان کے لئے مباح ہین تو مسلمانون کو ان کے ساتھ عقد بیع وشراء جائز نہ ہونا چاہئے"،

دوسرا اسپر سوال یہ ہے کہ مال الحربی مباحٌ یہ تو صغری ہوا، اس کے بعد کبری کا ثبوت آپ کے ذمہ باقی رہتا ہو

وَكُلُّ مَا كَانَ مُبَاحًا فَعَقْدُ الرِّبَا فِيهِ جَائِزٌ،	جو مال مباح ہو اوس مین عقد ربا جائز ہے یا
لَيْسَ هُوَ مَحَلًّا لِلرِّبَا دُونَ اِثْبَاتِهِ خَرْطُ الْقَتَادِ	یا وہ محل ربا نہین، اور آپ اس کو ثابت نہیں کر سکتے،

فقہاء نے لکھا ہے کہ بوقت حاجت باپ کے لئے بیٹے کا مال بقدر حاجت مباح ہے، تو کیا باپ کو بیٹے کے ساتھ عقد ربا بھی جائز ہے حالت اضطرار میں ایک مسلمان کو دوسرے کا مال لینا مباح ہے، تو کیا اس کے ساتھ عقد ربا بھی جائز ہوگا، اگر کوئی شخص اعلان کردے ابحت مالی لمن اخذہ (مین نے اپنا مال ہر شخص کے لئے مباح کردیا ہو جس کا جی چاہے لیلے) تو کیا اوس کے ساتھ عقد ربا جائز ہو جائے گا، کیونکہ اس کا مال مباح ہو چکا ہے، ہرگز نہین، اگر آپ اس کے قائل ہو بھی جائین، تو آپ کے امام اس کے قائل نہین، پھر اموال اہل حرب کا مباح ہونا ایک دوسری اصل پر مبنی ہے، کہ "اہل الحرب کلہم ارقاء" اہل حرب سب غلام ہین، مگر اس سے مراد وہ اہل حرب ہین، جو معصوم الدم نہ ہون، ورنہ کون نہین جانتا کہ اگر کفار اہل حرب سے صلح ہو جائے، تو وہ غلام نہین بنتے، بلکہ آزاد رہتے ہین، تو اہل حرب کے اموال کی اباحت بھی مطلق نہ ہوگی، بلکہ اموال مقاتلین کے ساتھ مخصوص ہوگی، کہ مقاتلہ کے وقت اہل حرب کا جو مال بطور غنیمت کے ہمارے قبضہ مین آئے، وہ مباح ہے اور اس مین بھی احراز بدار الاسلام شرط ہے، (کہ مال غنیمت دار الحرب سے دار الاسلام کی طرف منتقل کردیا گیا ہو) اسی لئے حنفیہ کے نزدیک دار الحرب مین تقسیم غنائم جائز نہین، اگر اموال اہل حرب کی اباحت ہندون کے شکار کی طرح ہوتی، تو ان قیود کی کیا حاجت تھی، پھر اموال غنیمت میں بھی یہ جائز نہین کہ جس مسلمان کا جس چیز پر قبضہ ہو جائے، وہ اس کا مالک[1] بن جائے، بلکہ امام کی تقسیم کے بعد مالک ہوگا، اور مال غنیمت مین غلول وخیانت

---

[1] اور یہان سے ان کا بھی رد ہوگیا جو دار الحرب میں مال حربی کو فئی قرار دیتے ہین، اور کہتے ہین کہ مسلمان حربی سے عقد ربا کرکے مال فئی پر قبضہ کرتا ہے، ان کو جاننا چاہئے کہ مال فئی عامہ مسلمین کا حق ہے، نہ کسی خاص شخص کا، بہرحال جو مال بطریق عقد بہ حربی کی رضامندی سے لیا جاتا ہے، اگر یہ فئی مین داخل ہوتا تو امام ابو یوسف اور دیگر ائمہ کو اس کی حلت مین اختلاف کرنے کی کوئی وجہ نہ تھی۔

سخت جرم ہے، اسی طرح اگر کفار کسی مسلمان کو دار الاسلام سے یا میدان جنگ سے قید کرکے دار الحرب لے جائیں، یا کوئی مسلمان بدون استیمان کے متلصصا (جاسوس بنکر) دار الحرب میں جائے، اوس کے لئے بھی اموال اہلِ حرب بجز عورتوں کے مباح ہیں، کیونکہ قیدی یا متلصص سے کسی قسم کا معاہدہ یا صلح کا معاملہ نہیں ہوتا، لیکن جو مسلمان دار الحرب میں مستامن بنکر جاتے ہیں، یا کسی معاہدہ کے تحت وہاں زندگی گذارتے ہیں، خواہ معاہدہ قولی ہو یا حالی[1]، اُن کے لئے اموال اہلِ حرب کا مطلقاً مباح ہونا مسلم نہیں جس کو دعوی ہو وہ اس پر دلیل قائم کرے،

اس تقریر سے یہ قیاس بھی باطل ہوگیا، کہ لاربا بین المسلم والحربی (مسلمان اور حربی کافر کے درمیان ربا نہیں) یہ حکم ویسا ہی ہے، جیسا لاربا بین العبد والمولیٰ (کہ غلام اور آقا کے درمیان ربا نہیں) کیونکہ غلام اور آقا کا تعلق ایسا ہے، کہ آقا بدون غلام کی رضا کے بھی اوس کا مال لے سکتا ہے، وہ حقیقت میں آقا ہی کا مال ہے، غلام کا مال ہے ہی نہیں، اور حربی اہلِ صلح سے بدون رضا کے اس کا مال لینا جائز نہیں، پس یہاں رضا کا شرط ہونا وہاں شرط نہ ہونا خود اس قیاس کے غلط ہونے کو واضح کر رہا ہے، حربی کی رضا کا مشروط ہونا اوس کی ملکیت کی دلیل ہے، اور ملکیت کے ساتھ اباحتِ مطلقہ کا حکم کیونکر صحیح ہوسکتا ہے، پس شرطِ رضا کے ساتھ مولانا کا یہ فرمانا کہ مباح و جائز مال کا مملوک ہونے کے لئے صرف قبضہ کافی ہے، مثلاً جنگل کے کسی پرندے کا شکار کرکے قبضہ کرلینا اس پرندے کے مالک ہونے کے لئے کافی ہے" بہت ہی بعید از قیاس ہے، اگر مال حربی مباح ہے تو صرف قبضہ کافی ہونا چاہئے، اس کی رضا شرط نہ ہونا چاہئے، میں اوپر بتلا چکا ہوں، کہ اباحتِ مال اہلِ حرب کا حکم مطلق نہیں، بلکہ خاص حالات کی ساتھ مخصوص ہے، جب کہ حربی غیر معصوم الدم ہو، خواہ مقابلہ و مقاتلہ کی وجہ سے یا مصالحت نہ ہونے کی وجہ سے پس جب لشکر اسلام دار الحرب پر حملہ آور ہو یا کوئی

---

[1] و دلیل اعتبار المعاهدة الحالیة ما رواه ابوداؤد فی باب صلح العدو والبخاری فی باب الشروط فی الجهاد بلفظ وکان المغیرة صحب قوما فی الجاهلیة فقتلهم واخذ اموالهم ثم جاء واسلم فقال النبی صلی الله علیه وسلم اما الاسلام فاقبل واما المال فلست منه فی شیء الحدیث،

قال القسطلانی لان اموال المشرکین وان کانت مغنومة عند القهر فلا یحل اخذها عند الامن فاذا کان الانسان مصاحبا لهم فقد امن کل واحد منهما صاحبه فسفك الدماء واخذ الاموال عند ذلك غدر والغدر بالکفار محظور وانما تحل اموالهم بالمحاربة والمغالبة،

وذکر نحوه الکرمانی وصاحب الخیر الجاری ولا نعلم فیه خلافا وفیه دلالة علی عدم اباحة مال الحربی عند الامن،

اور معاہدہ حالی کے معتبر ہونے کی دلیل وہ حدیث ہے جو ابوداؤد نے باب صلح العدو میں اور بخاری نے باب الشروط فی الجہاد میں نقل کی ہے، کہ مغیرہ اسلام لانے سے پہلے چند آدمیوں کے ساتھ تھے، ان کو قتل کرکے ان کے مال پر قبضہ کرلیا، پھر آکر اسلام لائے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہارا اسلام تو میں قبول کرتا ہوں لیکن اس مال سے مجھے کوئی واسطہ نہیں، قسطلانی کا بیان ہے کہ مشرکین کا مال اگرچہ غلبہ کے وقت غنیمت ہو لیکن امن کی حالت میں ان کا خون بہانا اور ان کا مال لینا جائز نہیں ہے اور پھر جب انسان ان کا ساتھی ہو تو گویا دونوں ایک دوسرے سے مامون ہوں گے اور ایسی صورت میں قتل و مال کا لینا دھوکا ہے اور دھوکا کفار کے ساتھ بھی ممنوع ہے البتہ ان کا مال جنگ اور غلبہ کی صورت میں حلال ہے،

اسی قسم کی رائے کرمانی اور صاحب خیر جاری نے بھی ظاہر کی ہے جس میں کوئی اختلاف نہیں ہے، یہ اس کا ثبوت ہے کہ امن کی حالت میں دار الحرب میں حربی کا مال اس طرح لینا جائز نہیں ہے،

مسلمان متلصص یا قید کی حالت میں دار الحرب جائے، اس صورت میں مسلم کو حربی سے عقد ربا جائز ہوسکتا ہے، کیونکہ ان حالات میں بدون رضا کے غصباً و جبراً بھی وہ اس کا مال لے سکتا ہے، تو بذریعہ عقد ربا کے تراضی کے ساتھ بدرجہ اولی لے لیگا، اور غالباً حدیث مکحول میں حربی سے ایسا ہی حربی غیر معصوم الدم مراد ہے، کہ وہی حربی کامل ہے، والمطلق اذا اطلق یراد به الفرد الکامل (لفظ مطلق سے فرد کامل ہی مراد ہوا کرتا ہے) اور عجب نہیں کہ امام صاحب کی مراد بھی یہی ہو کیونکہ ظاہر روایت میں یہ قول بہت مجمل ہے کتب فتاوی میں جو اس کی تفصیل مذکور ہے امام ابوحنیفہ اور محمد کے کلام میں وہ تفصیل مجھے نہیں ملی، اور اس صورت میں جواز عقد ربا سے آیت کے اطلاق یا عموم کی تقلید لازم نہیں آتی، کیونکہ آیت میں حرمت ربا کی علت اوس کا ظلم ہونا مذکور ہے، لا تَظْلِمُوْنَ وَلَا تُظْلَمُوْن اور یہ علت اسی وقت پائی جائے گی جب کہ عقد ربا معصوم الدم کے ساتھ کیا جائے، اور غیر معصوم الدم کا نہ مال معصوم ہے نہ جان کہ قہر و غضب سے بھی اس کا مال لینا جائز ہو تو وہاں عقد ربا سے ظلم کا تحقق نہ ہوگا، مگر دوسرے ائمہ نے اس حالت میں بھی صورت عقد ربا کو اس لئے گوارا نہیں کیا کہ ربا پر نص میں وعید شدید وارد ہے، تو گو اس حالت میں حقیقت ربا متحقق نہیں، مگر جس چیز پر وعید شدید وارد ہے، اس کی صورت سے بھی بچنا چاہئے، لیکن جن حالات میں حربی معصوم الدم ہو اوس وقت اس کا مال اوس کی ملک ہے ہمارے لئے بدون اوس کی رضا کے حلال نہیں اس وقت اس کو اس درجہ میں مباح کہنا کہ عقد ربا سے حقیقت ربا متحقق نہ ہو، بعید از قیاس ہے، پس ہندوستانی مسلمانوں کو کفار ہند کے ساتھ عقد ربا جائز نہ ہونا چاہئے، کہ آیت قرآنیہ کا اطلاق اسی کو مقتضی ہے"

غالباً ناظرین نے اس تفصیل سے سمجھ لیا ہوگا، کہ ہمارے مولانا گیلانی کا یہ ارشاد کہ "میرا مطلب یہ ہے کہ ہندوستان کی غیر مسلم رعایا کے اموال کی عدم اباحت کی دلیل پیش کرنا آسان نہیں چہ جائیکہ ان کی حرمت کا دعویٰ، کس قدر حقیقت سے دور ہے، بلکہ برعکس واقعہ یہ ہے کہ نص قرآنی اور بخاری کی اوپر کی حدیث کو پیش نظر رکھتے ہوئے درجہ شک میں بھی ان کی اباحت کی گنجایش نظر نہیں آتی، چہ جائیکہ اباحت کا قطعی دعویٰ"

کیا ہمارے مولانا کو معلوم نہیں کہ اس مسئلہ میں جملہ ائمہ نے امام ابوحنیفہ کی رائے سے اختلاف کیا ہے حتی کہ ان کے سب سے بڑے شاگرد امام ابویوسف بھی ان کے ساتھ نہیں ہیں، دوسرے ائمہ کے پاس نص قرآنی کا قطعی فیصلہ ہے جس کے مقابلہ میں امام ابوحنیفہ کے پاس بجز ایک ضعیف حدیث یا ضعیف قیاس کے کوئی بھی قوی دلیل نہیں، اور اس حالت میں ہمارے لئے اتنا ہی بس ہے، کہ امام صاحب کے اوپر سے کسی طرح مخالفت نص قطعی کے الزام کو دفع کرکے ان کے دامن اجتہاد کو طعن و تشنیع سے بچالیں نہ یہ کہ اتنی جرات سے کام لیں کہ دوسرے ائمہ سے یہ مطالبہ کریں کہ قرآن و حدیث و اجماع و قیاس

---

[1] اگر یہ تسلیم بھی کرلیا جائے کہ امام ابوحنیفہ اور امام محمد رحمہما اللہ کی مراد وہی ہے جس کا فقہا نے اپنے فتاوی میں ذکر کیا ہے، تو اس سے زیادہ سے زیادہ اُس مال کی اباحت ثابت ہوگی جس کو مسلمان نے حربی کی رضامندی سے دار الحرب میں لیا، لیکن مال کی اباحت عقد کی اباحت کو مستلزم نہیں ہو، مثلاً ایک شخص نے اس کا ثبوت دے دیا، کہ زید نے اپنی بیوی کو طلاق بائنہ دی، اور قاضی نے اس کے مطابق فیصلہ کردیا، لیکن ثبوت جھوٹا تھا، تو امام ابوحنیفہ کے نزدیک اس (جھوٹے) مدعی کے لئے اس عورت سے اس بنیاد پر شادی کرنا جائز ہے، کہ امام موصوف کے نزدیک معاملات کے انعقاد اور فسخ میں ظاہر اور باطن دونوں پہلوؤں سے قاضی کا فیصلہ نافذ ہوگا، باوجودیکہ یہ طریقہ بالاجماع حرام ہے،

غرض کسی شرعی دلیل سے الحربی کے اموال کی عدم اباحت کا ثبوت پیش کر سکتے ہون، تو پیش کرین،

اس ناچیز نے اعلاء السنن میں امام صاحب کے اس قول کے متعدد دلائل بیان کر دیئے ہین، مگر ان کا حاصل اتنا ہی ہے کہ امام صاحب کا یہ قول بے دلیل نہین، اس لئے کسی کو ان پر طعن کا حق نہین باقی، انصاف یہ ہے کہ دیگر ائمہ کا قول اس باب مین بہت قوی اور بڑا وزنی ہے، اس لئے ہم کو نص قرآنی پر نظر کرکے بے تکلف یہ کہنا چاہئے کہ اس باب مین مذہب حنفیہ وہ ہے جو امام ابو یوسف نے فرمایا ہے، کہ وہی ساری امت کا قول ہے، اور طرفین کا قول مذہب نہین، بلکہ مذہب کی ایک ضعیف روایت ہے، بشرطیکہ اس کا مطلب وہی ہو، جو کتب فتاوی مین بیان کیا جاتا ہے، اور ان کی مراد حربی سے غیر معصوم المال ہے تو اس صورت مین دوسرے ائمہ کا اختلاف محض تورع پر مبنی ہے، حقیقی اختلاف نہین،

آخر مین مولانا گیلانی فرماتے ہین:-

"افسوس کہ علمائے اسلام نے اسلام کے اس قیمتی نقطۂ نظر پر ٹھنڈے دل سے غور نہین کیا، ورنہ ادھر ڈیڑھ سو سال مین مسلمان جن معاشی دقتون مین مبتلا ہوگئے، غالباً صورت حال یہ نہ ہوتی، ملک کے باشندون کا ایک طبقہ صرف سود لیتا رہا اور دوسرا طبقہ صرف دیتا رہا، اس کی وجہ سے جو معاشی عدم توازن اس ملک مین پیدا ہو گیا ہے، اس کی ذمہ داری اسلام پر نہین بلکہ زیادہ تر علماء پر اس لئے ہے کہ ان کے معاشی نظام مین اس صورت کا علاج موجود تھا، لیکن انھون نے ایک جزو پر عمل کیا، اور دوسرے کو ترک کر دیا"

گویا مولانا کے نزدیک معاشی توازن قائم رہنے کی صورت یہ تھی، کہ مسلمان کفار کو سود دیتے بھی، اور ان سے لیتے بھی، ذرا مجھے بتلایا جائے کہ دار الحرب مین مسلمانون کا حربی کو سود دینا کس امام کے قول مین جائز ہے؟ اس کی اجازت تو امام ابو حنیفہ نے بھی نہین دی، اور نہ علمائے ہندوستان مین سے کسی نے اس کو جائز کہا، علماء ہمیشہ سودی قرضہ لینے کو حرام کہتے اور لوگون کو اس لعنت سے بچنے کی تاکید کرتے رہے،

لعن اللہ آکل الربا وموکلہ وکاتبہ وشاھدہ، اللہ تعالیٰ نے سود لینے والے پر بھی لعنت کی ہے، اور دینے والے پر بھی، اوس کے لکھنے والے پر بھی، اور گواہ پر بھی، اگر مسلمان ان کی نصیحت پر کان دھرتے، اور فضول خرچی اور عیاشی سے جو سودی قرضہ لینے پر مجبور کرتی ہے، دور رہتے تو یقیناً اس ملک مین معاشی توازن اس طرح قائم رہتا، کہ نہ مسلمان کسی کو سود دیتے نہ کوئی ان سے لیتا، نہ ان کی جائدادین سودی قرضہ مین نیلام ہوتین، نہ دوسری قومون کے گھر گھی کے چراغ جلتے،

پھر مجھے بتلایا جائے کہ ہندوستان مین وہ کتنے مسلمان ہین جنھون نے علماء کے فتوی کی وجہ سے سود لینا چھوڑا ہے جن کے پاس ضرورت سے زیادہ روپیہ ہے، وہ برابر اس کو سود پر چلا رہے ہین، اور کافرون سے نہین، بلکہ مسلمانون سے سود لے رہے ہین کیونکہ کافرون کو سودی قرضہ دینے والے ہندو مہاجن بہت ہین، وہ مسلمانون سے سودی قرضہ لینے کیون آئین گے؟ اور بہت سے مسلمان اپنا روپیہ بنک مین جمع کرتے ہین، اور برابر بنک سے سود لیتے ہین، مجھے بتلایا جائے کہ ایسے مسلمان کتنے ہین جو علماء کے فتوی کی وجہ سے بنک کا سود چھوڑ رہے ہین،

مولانا جن جن لوگون کے دلون مین علماء کے فتوی کی کچھ وقعت ہے، وہ نہ تو کسی کو سود دیتے ہین اور نہ کسی سے

لیتے ہین، اور وہ اس طرح معاشی توازن کو قائم کئے ہوئے ہین اور جو مسلمان دوسرون کو سود دے رہے ہین، وہ برابر ان سے لے بھی رہے ہین، پھر بھی جو اس ملک مین معاشی توازن قائم نہین ہوتا، اوس کی وجہ یہ ہے کہ مسلمان فضول خرچیون سے باز نہین آتے، اور تجارت وصنعت وحرفت کو عار سمجھتے ہین، فضول خرچی نے جائدادین برباد کر دین، تجارت وصنعت وحرفت کا ان مین حوصلہ نہیں، اور کسی میں ہے بھی تو اصول تجارت سے واقف نہین، الا نادرا وقلیل ما ھم، دوسری قومین تجارت وصنعت وحرفت کے میدان مین بڑھتی چلی جا رہی ہین، اور مسلمان ملازمتون اور نوکریون کے پیچھے پڑے ہوئے ہین جن مین آمدنی محدود اور ان کے مصارف غیر محدود، پھر اس ملک مین توازن معاشی کیونکر قائم ہو سکتا ہے، پس علماء کو الزام دینا سراسر غلط ہے، کیونکہ جو علماء دار الحرب مین حربی سے معاملہ ربا کو ناجائز کہتے ہین، وہ اسی کو اسلامی حکم سمجھے ہوئے ہین، اسلام صرف قول ابی حنیفہ کا نام نہین، بلکہ قرآن وحدیث کے احکام کا نام ہے، اگر قول ابی حنیفہ ان کے موافق ہوگا اسلام ہوگا، ورنہ امام کے قول کا کوئی محمل حسن تلاش کیا جائے گا،[1] اور فتوی ائمہ حنفیہ کے اُس قول پر دیا جائے گا، جو قرآن وحدیث کے موافق ہو،

پس آپ ہندوستانی مسلمانون کو تجارت وصنعت وحرفت کی ترغیب دیجئے، فضول خرچی سے روکئے کہ ترقی اقتصادی کا صحیح راستہ یہی ہے، کافرون سے سود لینے مین کچھ ترقی نہین، کیونکہ کفار مسلمانون سے سودی قرضہ لینے کبھی نہ آئین گے، البتہ جو تاجر یا زمیندار گورنمنٹ کو ٹیکس یا لگان دے رہے ہین، اگر وہ ڈاکخانہ یا امپیریل بنک مین روپیہ جمع کرکے گورنمنٹ سے سود وصول کرین تو ان کو بقدر اپنے ادا کردہ ٹکس ولگان کے گورنمنٹ سے سود لینا جائز ہے، افتیٰ بہ سیدی حکیم الامۃ قدس سرہ کیونکہ یہ سود لینا نہین بلکہ اپنے حق کو وصول کرنا ہے، وھو مسئلۃ الظفر بجنس حقہ فافھم ولا تعجل واللہ تعالیٰ اعلم واجل "

---

[1] چنانچہ ہم نے قول امام کے دو محمل اوپر تبلا دیئے ہین، والحمد للہ علیٰ ذلک فلیراجع،

ارض القرآن جلد اول

جدید اڈیشن

عرب کا قدیم جغرافیہ، عاد، ثمود، سبا، اصحاب الایکہ، اصحاب الحجر، اصحاب الفیل کی تاریخ اس طرح لکھی گئی ہے، جس سے قرآن مجید کے بیان کردہ واقعات کی یونانی، رومی، اسرائیلی لٹریچر، اور موجودہ آثار قدیمہ کی تحقیقات سے تائید وتصدیق ثابت کی ہے، ضخامت ۳۲۴ صفحے قیمت ے ر

ارض القرآن جلد دوم

قرآن مجید کے اندر جن قومون کا ذکر ہے ان مین سے مدین، اصحاب الایکہ، قوم ایوب، بنو اسمٰعیل، اصحاب الرس، اصحاب الحجر، بنو قیدار، انصار اور قریش کی تاریخ، اور عرب کی تجارت، زبان اور مذہب پر تفصیلی مباحث قیمت ۱۲ ضخامت ۴۴۰ صفحے،

منیجر

عرفانیاتِ فانی

از

جناب مرزا احسان احمد صاحب بی اے ال ال بی

(۳)

جہان تک فانی کے فلسفیانہ خیالات کا تعلق ہے، ان مین بھی ہم کو کوئی خاص عمق یا ندرت و جدت محسوس نہین ہوتی، بلکہ وہ صرف قدیم تخیلات کی صداے بازگشت ہین، جو صدیون سے پامال ہوتے چلے آرہے ہین، مثلاً

عالم جز اعتبار، نہان و عیان نہ تھا   یعنی کہ تو عیان نہ ہوا اور نہان نہ تھا

مفہوم کائنات تمھارے سوا نہیں   تم چھپ گئے نظر سے تو سارا جہان نہ تھا

حسن ہے ذات مری عشق صفت ہے میری   ہون تو مین شمع مگر بھیس ہے پروانے کا

ہر تجلی ہے اک نظام جمال   لاکھ عالم ہین ایک عالم کیا

نشان مہر ہے ہر ذرہ ظرف مہر نہین   خدا کہان نہ ملا، اور کہین خدا نہ ملا

غور کرو ان اشعار مین جو خیالات ادا کئے گئے ہین، ان مین فانی نے کوئی ترقی یا اضافہ کیا ہے، یا کوئی ایسا خاص پہلو پیدا کیا ہے، جو اب تک اہل حقیقت کی نگاہون سے مخفی تھا، اکثر طرز ادا کی طرفگی فرسودہ خیالات مین بھی ایک خاص لطف پیدا کردیتی ہے، مین اس کو بھی غنیمت اور شاعرانہ کمال کی ایک بڑی دلیل سمجھتا ہون، لیکن اس حیثیت سے بھی ان اشعار مین کوئی ندرت نہین،

بعض لوگون کا خیال ہے کہ فانی کے کلام مین کچھ تصوف کا عنصر بھی نظر آتا ہے، ممکن ہے کہ انھون نے کچھ تصوف کے مسائل بیان کئے ہون، لیکن تصوف کی روح ہم کو پورے مجموعۂ زیر تنقید مین کہین نظر نہیں آئی، کاش وہ اس جام لاہوتی کے لذت شناس ہوتے تو ان پر یاس و قنوط کی کیفیت طاری نہ رہتی، بلکہ اصغر کی طرح وہ جوش مستی مین تمام عرصۂ عالم پر چھا جاتے،

بنا کے شیشہ و ساغر ہجوم مستی مین   تمام عرصۂ عالم پہ چھا گیا ہون مین

فانی کے کلام کا ایک بڑا نقص یہ ہے کہ انھون نے تنوع مضامین کا بالکل لحاظ نہین رکھا، اور اپنی جبین نیاز صرف آستانۂ غم پر جھکا کر بیٹھ گئے، اور یہ نہ سمجھے کہ ایک ہی قسم کے خیالات کا اعادہ ہمیم ذوق شناس طبیعتون پر کس قدر گران گذرتا ہے، اور شاعر کے کلام کو کس حد تک بے کیف بنا دیتا ہے، جس طرح چمن کی رونق مختلف رنگ و بو کے پھولون سے ہوتی ہے، اسی طرح چمنستان تغزل کا سرمایۂ آرایش شاعر کے گوناگون جذبات و احساسات ہوتے ہین، افسوس ہے کہ فانی نے صرف داستان غم کو اپنا واحد موضوع شاعری قرار دے کر غزل کے دائرۂ سخن کو اس طرح محدود کر دیا، کہ اس کی تمام رنگینی لطافت، اور دل آویزی کا خاتمہ ہو گیا، انھون نے زندگی کو صرف غم کی نگاہ سے دیکھا، اور اس طرح دیکھا کہ اس کے کسی گوشہ مین ان کو بجز یاس و حسرت و اندوہ کے امید و آرزو کی کوئی روشنی نظر نہین آئی، ان کے دل کی پژمردگی و افسردگی کا یہ عالم تھا، کہ وہ برق و باران کے دلفریب منظر

سے بھی کوئی لطف نہین اٹھا سکتے تھے، اور ان کے نزدیک اس کی حقیقت صرف اس قدر ہے،

"اک بے قرار تڑپا، اک دلفگار رو دیا"

لیکن یہی سمان جب ایک صاحب ذوق کی نگاہ سے گذرتا ہے تو وہ جوش نشاط مین بے اختیار پکار اٹھتا ہو:-

خم گردون سے موج مے اٹھی ہے کس قیامت کی   (اصغر)

اب تک جو کچھ کہا گیا، اس سے مقصود یہ دکھانا تھا، کہ فانی نے معنوی لحاظ سے اردو تغزل کے قالب حیات مین کوئی جدید روح نہین پھونکی، اب دیکھنا یہ ہے کہ انداز بیان کی حیثیت سے غزل پر ان کے کیا احسانات ہین؟

تاثیر شعر کی جان ہے، اس کے لئے حسن خیال کے علاوہ حُسن بیان نہایت ضروری چیز ہے، اکثر بلند اور لطیف خیالات صرف اس لئے غارت ہو جاتے ہین، کہ شاعر اپنی طرز ادا مین کوئی خاص ندرت اور طرفگی پیدا نہیں کرسکا، اس بنا پر جو شعرا نکتہ رس اور بلاغت شناس ہوتے ہین، وہ لطافت خیال کے ساتھ ساتھ انداز بیان کی خوبی اور دلکشی کا خاص لحاظ رکھتے ہین، اور ہمیشہ اس کوشش مین رہتے ہین، کہ معمولی خیال بھی ایسے اچھوتے طریقہ سے ادا کیا جائے، کہ سننے والا وجد کرنے لگے، اس کے لئے غیر معمولی قدرت زبان درکار ہے، خواجہ حافظ کو دیکھو ایک معمولی سی بات کو لیتے ہین، اور اپنے حسن بیان سے معجزہ بنا دیتے ہین، مثلاً یہ خیال کہ دنیا مین بجز نیکی کے اور کوئی چیز باقی رہنے والی نہین، ایک نہایت معمولی خیال ہے لیکن اس کو اس دلکش پیرایہ مین ادا کرتے ہین،

برین رواق زبرجد نوشتہ اند بزر   کہ جز نکوئی اہل کرم نخواہد ماند

مولانا روم کی نکتہ سنجی اور دقیقہ رسی سے کس کو انکار ہو سکتا ہے؟ لیکن اگر ان کو خواجہ حافظ کی قدرت زبان ملی ہوتی تو تم اندازہ کر سکتے ہو کہ ان کے کلام کا حسن کہان سے کہان پہونچا ہوتا!

غرض شاعر کو یہ نہ بھولنا چاہئے کہ وہ شاعر ہے، ناصح یا واعظ نہین، خواہ وہ فلسفہ لکھے یا علمی و اخلاقی نکتے بیان کرے خواہ اسرار محبت کی گرہ کشائی کرے، یا مناظر قدرت کی تصویر کھینچے، ہر موقع پر اس کا انداز بیان شاعرانہ رہنا چاہئے، ورنہ اس کی تمام جدت طرازیان برباد ہو جائین گی، اور سننے والے پر کوئی اثر نہ ہوگا، خواجہ حافظ کا کمال یہی ہے، کہ وہ ہر قسم کے علمی، اخلاقی، فلسفیانہ مضامین ادا کرتے ہین، لیکن انداز بیان کی شاعرانہ رنگینی اور لطافت مین فرق نہین آنے پاتا،

افسوس ہو کہ فانی نے پیرایۂ بیان کی جدت اور دل آویزی کا لحاظ بھی کم رکھا ہے، جس کی وجہ سے ان کے اکثر عمدہ خیالات بھی بے مزہ ہو گئے ہین، اس کا اندازہ مثالون سے ہو سکتا ہے،

اک حق کے سوا کوئی ہستی ہی نہ تھی یارب   یون میرے سر آنکھون پر تمیز حق و باطل

کہنا یہ ہے کہ بجز حق کے اور کسی شے کا وجود نہین ہے، دنیا مین جو کچھ ہے سب کچھ حق ہے، باطل کی کوئی حقیقت نہین، خیال کی خوبی سے انکار نہین، لیکن غور کرو، طرز ادا کس قدر خشک اور پھیکا ہے، خصوصاً ثانی مصرعہ کی ثقالت اور گرانی قابل لحاظ ہے جس نے انداز بیان کو بہت کچھ صدمہ پہنچایا ہے، علاوہ اس کے فانی کے شعر سے اس کا پتہ نہین چلتا کہ آخر باطل کا وجود کیون نہین ہے؟ اور ہر چیز حق کیون نظر آرہی ہے؟ اس کا سبب محض طرز ادا کا نقص ہے، وہ شعر مین کوئی ایسا لفظ نہ رکھ سکے جو اس نقص کو رفع کر دیتا، دیکھو اقبال سہیل اس مشکل کو کتنے آسان طریقہ سے حل کر دیتے ہین،

چھایا ہوا ہے دیدہ و دل پر جمال حق   باطل بھی اب نگاہ مین باطل نہین رہا

یہ صرف قدرت زبان اور طرز ادا کی خوبی کا فیض ہے، کہ اس شعر مین ایک عمدہ دعوی اسی قدر

عمدہ طریقہ پر ثابت کر دیا گیا ہے، کہ دل کو تسکین ہو جاتی ہے، اور سامع کے ذہن کو کوئی الجھن محسوس نہین ہوتی،

جبر و اختیار کے پامال موضوع پر فانی نے بہت زیادہ طبع آزمائی کی ہے، لیکن پیرایۂ بیان مین کوئی خاص ندرت یا طرفگی پیدا نہ کر سکے، چند اشعار ملاحظہ ہون'

فانی ترے عمل ہمہ تن جبر ہی سہی — سانچے مین اختیار کے ڈھالے ہوئے تو ہین

زندگی جبر ہے، اور جبر کے آثار نہین — ہائے اس قید کو زنجیر بھی درکار نہین

جسم آزادی مین پھونکی تو نے مجبوری کی رُوح — خیر جو چاہا کیا، اب یہ بتا ہم کیا کرین

محو ہون کہ معترف جبر دوست ہون — مجبور ہون کہ یہ بھی کوئی اختیار ہے

محشر میں جبر دوست سے طالب ہوں داد کا — آیا ہون اختیار کی تہمت لئے ہوئے

اس قسم کے اور بھی اشعار ہین، جن کو ہم طوالت کے لحاظ سے قلم انداز کرتے ہین، فانی نے تقریبًا ہر شعر میں جبر و اختیار کے الفاظ استعمال کئے ہین، حالانکہ ان کو سمجھنا چاہئے تھا، کہ علمی اصطلاحات کے علانیہ استعمال سے انداز بیان کی تاثیر بہت زیادہ گھٹ جاتی ہے، اور شعر مین شعریت باقی نہیں رہتی، خواجہ حافظ بھی جبر کے قائل ہین، اور اس خیال کو مختلف طریقون سے ادا کیا ہے، مثلًا

در پس آئینہ طوطی صفتم داشتہ اند — انچہ استاد ازل گفت ہمان می گویم

برق غیرت کہ چنین می جہد از پردۂ غیب — تو بفرما کہ من سوختہ خرمن چہ کنم

دیکھو حافظ نے جبر یہ اختیار کا لفظ کہین استعمال نہین کیا ہے، بلکہ محض لطیف تشبیہات کے پردے مین اپنے مفہوم کی طرف اشارہ کر دیا ہے، اور یہی ان کے پیرایۂ بیان کے موثر ہونے کا راز ہے، نفس خیال مین کوئی خاص ندرت نہین، لیکن طرز ادا کی خوبی نے ان اشعار مین جو دلآویزی پیدا کر دی ہے، اس کو ہر صاحب ذوق بآسانی محسوس کر سکتا ہے،

اب ہم چند اشعار بلا کسی تشریح کے نقل کرتے ہین جن سے ناظرین کو اندازہ ہوگا، کہ فانی کا انداز بیان اکثر کس حد تک غیر شاعرانہ ہوتا ہے،

مین ہون اک مرکز ہنگامۂ ہوش رم ہوش — دل اگر عالم مستی ہو تو سر عالم ہوش

عدم ہوش پہ ہے، فطرت ہستی مائل — کس توقع پہ اٹھائے کوئی ناز غم ہوش

بیخودی مایۂ طوفان خودی ہے یعنی — محرم جلوۂ اسرار ہے نا محرم ہوش

مظہر ہستی و خلاق عدم ہے مری ذات — کچھ نہ تھا ورنہ بجز سلسلۂ برہم ہوش

ان اشعار کو پڑھو، ان مین کہین جذبات کی تپش یعنی شعریت کی روح نظر آتی ہے؟ یہ نہین معلوم ہوتا، کہ کوئی شاعر دل کی گہرائیون سے بول رہا ہے، بلکہ یہ صاف محسوس ہوتا ہے، کہ کوئی بزرگ پیرانہ سال مکتب مین بیٹھے ہوئے فلسفہ کا درس دے رہے ہین،

اب اسے دار پہ لیجا کے سلا دو ساقی — یون بہکنا نہیں اچھا ترے مستانے کا

انداز بیان خصوصًا مصرعۂ اول جس قدر لطیف ہے، وہ محتاج اظہار نہین، لیکن افسوس ہے کہ شاعر کو اتنا بھی خیال نہین رہا، کہ ساقی کو دار و رسن سے کوئی تعلق نہین، اس کا کام مستون کو دار پر چڑھانا نہین ہے، ایسا ساقی کس کام

کا، جس کو رندون کی فطری صلاحیت کا اندازہ نہ ہو، اور ان کو اتنا پلا دے کہ قابو سے باہر ہو جائین، اور سزائے دار دینے کی ضرورت پیش آئے،

ازل مین خلق ہوئی تھی جو بجلیون کی رُوح — تری نگاہ مری جان بے قرار ہوئی

خیال اچھا تھا، لیکن دیکھو محض طرز ادا کی خامی کی وجہ سے بالکل برباد ہو گیا، پہلے مصرعہ کی سستی بندش اور گرانی الفاظ محتاج بیان نہین'

قدیم لکھنوی انداز بیان کی بھی جھلک اکثر فانی کے کلام مین نظر آتی ہے، مثلًا:-

بدلا ہوا ہے آج مرے آنسوؤن کا رنگ — کیا دل کے زخم کا کوئی ٹانکا ادھڑ گیا

اللہ رے جوش باد بہاری ترا اثر — پیمانہ لڑکھڑا کے صراحی سے لڑ گیا

ضیاد یون پرون مین گرہ باندھتے ہین کیا — بے درد بند بند کسی کا جکڑ گیا

میرے دل کو چین آجانے کی ضامن موت ہے — تم کسی دن نبض دل پر ہاتھ رکھ کر دیکھنا

ہنسی آتی ہے تیری سادگی شوق پہ فانی — وہ میت ہی پہ کب آئے جواب آئین گے مدفن پر

نگاہ شوق کی رعنائیون کا کیا کہنا — مگر خدا کی قسم آپ کا جواب نہین

طوق منت کے بڑھا، ہو گئی منت پوری — بیڑیاں موت نے کاٹین ترے دیوانون کی

ساتھ جائے گا مری میت کے سامان خلش — دل مین رکھ چھوڑے ہین پیکان ترے تیر کے

ہائے کیسی کشمکش ہے یاس بھی ہے آس بھی — دم نکل جانے کو ہے خط کا جواب آنے کو ہے

کچھ نہ کہنا وہ کسی مجبور خاموشی کا ہائے — وہ جنازہ پہ ترا کہنا خفا کیون ہو گئے

ابھری ہوئی ہے چوٹ دل دردمند کی — رکھنا قدم تصور جانان سنبھال کے

نگاہ ناز کا صدقہ نیازمند ہین ہم — کبھی قبول ہمارا سلام ہو جائے

سُنے جاتے نہ تھے تم سے مرے دن رات کے شکوے — کفن سرکاؤ میری بے زبانی دیکھتے جاؤ

ان اشعار کی پستی تخیل پر کسی تبصرہ کی ضرورت نہین، ان مثالون سے بخوبی اندازہ ہو سکتا ہے کہ فانی نے لطافت زبان اور حُسن اسلوب و جدت ادا کے لحاظ سے غزل کو کوئی خاص ترقی نہین دی،

فانی جیسا کہ ان کی فارسی غزلون سے اندازہ ہوتا ہے، ایک بڑی حد تک فارسیت کے ذوق سے آشنا تھے، اس مین شبہہ نہین، کہ فارسی ترکیبین انداز بیان کو موثر اور دلکش بنانے مین بہت زیادہ معین ہوتی ہین، بشرطیکہ وہ ثقیل و نامانوس نہ ہون، غزل مین اس کا خاص طور پر لحاظ رکھنا ضروری ہے، کیونکہ غزل میں جو جذبات ادا کئے جاتے ہین، ان کی نزاکت مقتضی ہے کہ جو زبان اختیار کی جائے، وہ لطیف، شیرین، شستہ اور ہر قسم کی گرانی اور ثقالت سے پاک ہو، لیکن فانی اکثر اس نکتہ کو بھول جاتے ہین، چند مثالین ملاحظہ ہون،

ہوش سے احتراز کر فاش نہ غم کا راز کر — وعدۂ حساب کیون شکوۂ روزگار کیا

ہوش کا سرمایہ وحشت کے سوا ممکن نہین — عالم اک مجموعۂ ذرات صحرا بیز ہے

دل لہو کر دے وہ ضبط رنج پنہان چاہئے — ہر لہو کی بوند لیکن رہن طوفان چاہئے

کچھ شرح بیخودی ہے کچھ ہوش کا فسانہ — یہ بے حسی جو شاید تنقید زندگی ہے

دل کی بحد یہ خاک اڑانے چلا ہے عشق — ذرے سے اکتساب بیابان کئے ہوئے

خاکشیدہ، ترکیبوں پر غور کرو، غزل کی زبان کے لحاظ سے ان میں کہاں تک شیرینی اور لطافت ہے،

فانی نے اکثر ایسی ترکیبیں استعمال کی ہیں، جن کا مفہوم غالبًا وہی خود سمجھ سکتے تھے، مثلاً محشرِ سکوت، گریۂ حیران سکوت، برہم، عشرتِ تجلی وغیرہ،

اس میں شبہہ نہیں کہ فانی کی زبان میں ایک حد تک صفائی اور برجستگی ضرور ہے، لیکن حسنِ اسلوب اور جدتِ ادا کے لحاظ سے اکثر فروگذاشتیں محسوس ہوتی ہیں، جن کے متعلق ہم سطورِ مذکورۂ بالا میں اشارہ کر چکے ہیں،

اگرچہ ہمارے معیارِ تغزل پر فانی کا کلام پورا نہیں اترتا، تاہم اس کو خوبیوں سے بالکل معرا قرار دینا سخت ناانصافی ہوگی، فانی کو قدرت نے جو فلسفیانہ نظر اور شاعرانہ دماغ عطا کیا تھا، اس سے اردو تغزل کی تہذیب ترقی کی بہت کچھ بجا طور پر توقع ہو سکتی تھی، لیکن افسوس ہے کہ وہ گرد و پیش کے خارجی حالات کی ناخوشگواری سے اس درجہ متاثر اور افسردہ ہو کر ان کا دستِ طلب سازِ محبت کے پردہ ہائے آتشیں کو چھیڑنے کی جرأت نہ کر سکا، تاہم اس سے انکار نہیں ہو سکتا کہ ان کا غم کدہ کبھی کبھی حسنِ تخیل کی شعاعوں سے بھی چمک اٹھتا ہے، اور ایسے اشعار بھی ان کے قلم سے بے ساختہ نکل جاتے ہیں، جو عام غزل گو شعراء کی دسترس سے باہر ہیں، بطور نمونہ کے چند اشعار اہلِ ذوق کی ضیافتِ طبع کے لئے ہم نقل کرتے ہیں، جن سے بخوبی اندازہ ہوگا، کہ فانی کی نگاہ یکسر عامیانہ نہ تھی۔

اٹھ اے نگاہِ شوق اٹھ متاعِ جاں لئے ہوئے — وہ دامنِ نگاہ میں ہیں بجلیاں لئے ہوئے

ترے کرم سے کیا سماں ہے عالمِ گناہ کا — سیاہیاں امید کی تجلیاں لئے ہوئے

کیفیتِ نگاہِ سرور آفریں نہ پوچھ — شبنم کو جس نے بادۂ عرفاں بنا دیا

ہر دورِ گل کو جلوہ گہِ کیف صد بہار — ہر بوئے گل کو میکدۂ جاں بنا دیا

خود برق ہوا در طورِ تجلی سے گذر جا — خود شعلہ بن اور وادیِ سینا سے گذر جا

سرکارِ محبت میں خبر بے ادبی ہے — اے نشۂ دیوانگی ہوش اتر جا

اے جذبِ بیخودی ترے قربان جائیے — پھرتا ہے دل میں کوئی مجھے ڈھونڈھتا ہوا

لطفِ حیات بے خلشِ مدعا کہاں — یعنی بقدرِ تلخیِ صہبا سرور تھا

دل حاصلِ حیات ہے اور دل کا ماحصل — وہ بے دلی کی جانِ تمنا کہیں جسے

کب تک رہیں ذوقِ تماشا ہو کوئی — اب وہ نگاہ دے کہ تماشا کہیں جسے

گم ہیں رہِ تسلیم میں طالب بھی طلب بھی — سجدہ ہی در یار ہے سجدہ ہی جبیں ہے

بہار نذرِ تغافل ہوئی خزاں ٹھہری — خزاں شہیدِ تبسم ہوئی بہار ہوئی

ہے یاد تری رونقِ خلوت گہِ خاطر — ہے ذکر ترا شمعِ شبستانِ تمنا

مری ہر معصیت ہے مطلعِ انوارِ صد رحمت — گناہوں سے فضائے دل منور ہوتی جاتی ہے

اس شعر کی لطافت پر ذوقِ سلیم جس قدر وجد کرے کم ہے، دو ایک شعر اور ملاحظہ ہوں،

یا رب تری رحمت سے مایوس نہیں فانی — لیکن تری رحمت کی تاخیر کو کیا کہئے

تیرا کرم کہ تو نے وہ دل کو عطا کیا — جو غم بقدرِ حوصلۂ آسماں نہیں

اس کشتیِ ہستی کو طوفان ہی مبارک تھا — گردابِ حوادث کے آغوش میں تھا ساحل

تلاش سے مجموعۂ زیرِ تنقید میں اس قسم کے بلند و پاکیزہ اشعار اور بھی مل سکتے ہیں جنھیں پڑھ کر ایک وجدانی کیفیت محسوس ہوتی ہے اور جن سے کسی حد تک فانی کی مذکورۂ بالا فروگذاشتوں کی تلافی ہو جاتی ہے، لیکن ان کی تعداد بہت کم ہے، آخر میں مجھ کو اس کے اظہار میں تامل نہیں کہ عام غزل گو شعراء میں فانی کا کلام ایک امتیازی حیثیت رکھتا ہے، اور اگر وہ لکھنویت کے برے اثرات سے پاک ہوتا، تو بلاشبہہ جدید غزل گو شعراء میں ان کا درجہ بلند ہوتا، فانی کی ہر فردگذاشت کو باسانی نظر انداز کیا جا سکتا ہے، لیکن لکھنوی مذاقِ تغزل کا انھوں نے جو نمونہ پیش کیا ہے، وہ خود ان کے عارضِ سخن کے لئے ایک بدنما دھبہ ہے، جس کو مذاقِ سلیم کسی طرح گوارا نہیں کر سکتا، اس لئے میں نے اس حصہ پر کسی قدر سختی سے تنقید کی ہے تاکہ آیندہ غزل گو شعراء اس سے احتراز کریں، تاہم حتی الوسع اس کی کوشش کی ہے کہ حق و انصاف کا سر رشتہ ہاتھ سے نہ چھوٹنے پائے، لیکن اگر قلم نے کہیں نادانستہ بے راہ روی اختیار کی ہو تو میں اس کے لئے فانی مرحوم کی روح سے معذرت خواہ ہوں،

آخر میں انجمن ترقی اردو سے ہماری درخواست ہے کہ وہ اصحابِ ذوق کے لئے فانی کے کلام کا ایک عمدہ انتخاب شائع کرے، جس سے ان کے کمالاتِ شاعری کا صحیح اندازہ ہو سکے، اس مجموعہ میں خزف ریزوں کے ڈھیر میں ان کے جواہر پارے بھی چھپ کر رہ گئے ہیں،

رومہ کا ایک خط

"اٹلی کے پایۂ تخت رومہ سے یہ ایک خط موصول ہوا ہے، چونکہ اس میں بعض امور عام ناظرین کی دلچسپی کے ہیں، اس لئے ہدیۂ ناظرین کیا جاتا ہے،" "م"

پیڈ وا، رومہ اٹلی

۱۴ر دسمبر ۱۹۴۴ء

مکرمی جناب سید صاحب

السلام علیکم، آپ کو شاید یاد ہوگا کہ ۱۹۴۰ء کے شروع میں میں نے یہاں سے آپ کو ایک خط لکھا تھا، مجھے آپ کا جواب بھی مل گیا تھا، اس میں آپنے اس ملک میں مشرقی علوم کی ترقی اور نشو و نما کی بابت دریافت کیا تھا، آپ کا خط ملنے کے کچھ ہی دنوں بعد جنگ شروع ہوگئی، اور پھر کوئی خط و کتابت کا سلسلہ نہ ہوسکا، جنگ کی یہ مدت خوش و ناخوش بہیں گذری، آپ سمجھ سکتے ہیں کہ جنگ کا زمانہ، ہندوستانی پروانۂ راہداری، خوراک کی قلت، پولیس کی جارحانہ تفتیش، اور نگرانی غرض ان تمام وجوہ سے زندگی ایک عذاب بن گئی تھی، اس عذاب کے زمانہ میں بہرحال جو کچھ ممکن ہوسکا، میں نے خاصکر اسلامی علوم کی نشو و نما کی بابت کچھ مواد فراہم کی، مگر وہ تمام جستہ جستہ یادداشت کی صورت میں ہے، اور پولیس کی نگرانی اور تفتیش کے خیال سے آج تک ایک لفظ نہیں لکھا کہ مبادا کسی روز تمام سامان کی تلاشی ہو، اور یہ مضمون پاکر وہ سمجھے کہ میں کوئی روزنامچہ تیار کر رہا ہوں، اور پھر اسے لیجائے، یہاں ذاتی روزنامچے پولیس کی تحقیقات کا ایک ضروری جز تھے، تفتیش کے دوران میں پولیس اس قسم کے کاغذات پر پہلے قبضہ کرتی تا کہ اس سے پتہ چلے کہ کن کن لوگوں کے حالات اس میں درج ہیں، اور لکھنے والے کے کیا خیالات ہیں، مسولینی کی حکومت اتنی جابرانہ تھی، کہ لوگ جب صبح کو اٹھتے تھے، تو خوش ہوتے تھے، کہ ایک رات اور آزادی کی گذری، پولیس ہمیشہ آدھی رات کو یا صبح ۴ بجے آتی، اور خانہ تلاشی اور گرفتاریاں کرتی، سلطان عبدالحمید خان کا نام مفت بدنام ہے، مسولینی نے جس قسم کی جابرانہ حکومت کی ہے، اس کی اگر آپ تفصیل سنیں تو یقیناً کہیں گے، کہ مشرق کا کوئی شخص بھی شیطنت کی اس حد تک نہیں جا سکتا، بیٹا باپ پر جاسوسی کرتا ہے، شوہر اور بیوی ایک دوسرے پر شبہ کرتے ہیں، بھائی بھائی میں بگاڑ ہے، اور لطف یہ کہ سب کے سب مسولینی کے تنخواہ دار جاسوس ہیں، یہ ہے اس چیز کا کرشمہ جس کو کہا جاتا ہے تہذیب!

مشرقی علوم سے آپ کا کیا مطلب تھا؟ مشرقی علوم میں تو سارے مشرق کے علوم آتے ہیں، یعنی چینی، جاپانی، سنسکرت، عربی، فارسی، عبرانی زبانوں کی تعلیم اور ان کی تاریخ پر تصنیفات، ان تمام علوم پر مواد فراہم کرنا میرے لئے بہت مشکل ہے، البتہ عربی فارسی کے متعلق میں نے کچھ مواد فراہم کیا ہے، اگر آپ کہیں تو ان کو ایک مضمون کی شکل میں مرتب کرکے بھیجوں، اس سلسلے میں مشرقی علوم خاص کر عربی زبان کی تحصیل کی ابتدا نہایت دلچسپ ہے، یورپ میں یہ پہلا ملک ہے، جہاں عربی زبان کی تحصیل کا خیال پیدا ہوا، عام طور پر کتابوں میں درج ہے، کہ یورپ نے اسلامی ممالک میں عیسائیت کی تبلیغ کے لئے عربی زبان کی تحصیل کو ضروری سمجھا، اور پادریوں کے لئے مدرسے قائم کئے، یہ ایک حد تک صحیح ہے، مگر دو چیزیں اور بھی ہیں، جو میرے ذہن

میں آئی ہیں، اور جن کے متعلق میں نے تھوڑی بہت تحقیقات بھی کی ہے، اول یہ عیسائی تبلیغ صلیبی جنگوں کے بعد شروع ہوئی، جس سے پتہ چلتا ہے کہ عیسائیت نے دراصل ہتھیار بدل دیئے یعنی جب تلوار سے کام نہ چلا تو پھر قلم اور زبان کا ظاہرا پر امن طریقے پر استعمال ہونا شروع ہوا ۔۔۔۔۔ لیکن دوسری وجہ اور بھی دلچسپ ہے، یہ بات تو اب علمی دنیا میں رفتہ رفتہ آتی جاتی ہے، کہ یورپ کی نشاۃ ثانیہ بڑی حد تک اسلام کی مرہون منت ہے، اور اسلام کا یہ فیض صقلیہ اور ہسپانیہ سے شروع ہوا، صقلیہ میں جب اسلامی علوم کا آفتاب طلوع تھا، تو اس کی کرنیں اس ملک تک برابر پہنچتی تھیں، اسی کرن نے دراصل ازمنۂ وسطیٰ کی تاریکی کو صاف کیا، اس سے عیسائی دنیا کے عقائد میں ایک ہلچل پیدا ہوگئی، پیر کلیسا کے بجائے عقل اور درایت کی رہنمائی تسلیم کی جانے لگی، لوگوں کو خیال پیدا ہوا، کہ یہ سارا کرشمہ عربی علوم کا ہے، اس لئے عقل و درایت کے مخالفین نے اس طوفان کو روکنے کے لئے اصل عربی ماخذ کی طرف توجہ کرنی شروع کی، تاکہ عقل کے حامیوں کا جواب خود عربی مصنفین کی تصنیفوں سے دیا جا سکے، یہیں سے دراصل عربی علوم کی ابتدا ہوتی ہے، لیکن اس کا اب کوئی ذکر نہیں کرتا، کیونکہ مسلمان درگور، اور مسلمانی در کتاب نے خیالات کی رو کو علم سے ہٹا کر استعماری سیاست کے میدان میں ڈالدیا ہے، ہمارے شاعر نے کیا خوب کہا ہے ؎

دنیا میں فقط مردان حُر کی آنکھ ہے بینا

اس سلسلہ میں پرنس کائتانی کے کتب خانے میں ایک کتاب دیکھنے کا اتفاق ہوا، یہ تین جلدوں میں ہے، اور لاطینی زبان میں ہے، اس کا سنہ اشاعت غالباً ۱۸۹۱ء ہے، مصنف اس کا سوئٹسان کا باشندہ تھا، اس کتاب میں اس نے بتایا ہے کہ طامس اکوئناس کے فلسفے پر بہت گہرا اسلامی اثر پڑا ہے، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اہل کلیسا، آج تک اس مصنف کے خلاف مضامین لکھتے ہیں، اور اس کی غلطی فاش کرتے ہیں، یہاں ایک بات ضروری کہنی ہے، آپ کا ادارہ اسلامی تاریخ کے گمشدہ اور بھولے ہوئے اوراق کو جمع کرنے اور یاد دلانے کی کوشش کرتا ہے، اس سلسلے میں غیر زبانوں کا علم بے حد ضروری ہے، غیر زبانیں اگر آج ہمارے ملک میں کم رائج ہیں، لیکن کل ضرور ان کا علم زیادہ ہوگا، لیکن اس سلسلہ میں سب سے پہلے غیر زبانوں کی کتابوں کی فراہمی ضروری ہے، ہمارے کتب خانے غیر زبان کی کتابوں سے بالکل خالی ہیں، یہاں اس ہنگامہ دار و گیر میں صقلیہ اور ہسپانیہ کی اسلامی تاریخ کی بابت بہت سے پرانے نسخے بازار میں آئے ہیں، یہ اطالوی فرانسیسی اور ہسپانوی زبان میں ہیں، یہ خیال کرکے کہ آپ کا ادارہ ان سے دلچسپی لیتا ہے، یہ خط آپ کو لکھ رہا ہوں، دو تین کتابوں کے نام لکھتا ہوں، اول صقلیہ میں اسلامی دور کی تاریخ، یہ اطالوی زبان میں تین جلدوں میں ہے، پہلا اڈیشن اس کا ۱۸۷۴ء میں شائع ہوا، اور دوسرا ۱۹۳۳ء میں، قیمت کوئی پانچسو لیرا کے قریب، اسی مصنف (امیکاری امارِی) کے قلم سے صقلیہ میں فریڈرک دوم کے حالات پر دوسری تصنیف بھی ہے، ۱۸۵۶ء قیمت کوئی دوسو لیرے، سوم صقلیہ پر اجانب کی حکومت ۱۸۷۶ء قیمت کوئی ۱۵۰ لیرے،

پھر ہسپانوی تاریخ پر کئی کتابیں ہسپانوی زبان میں ملتی ہیں، اس سلسلے میں ایک چیز اور آپ کو سناؤں ہسپانوی اکادمی کے صدر کے قلم سے ۱۹۳۵ء میں ایک طویل مقالہ ہسپانوی شاعری پر شائع ہوا، اس میں انھوں نے بتایا ہے کہ جدید ہسپانوی شاعری، اور اسی کے ذریعہ سے جدید یورپ کی شاعری بڑی حد تک عربی شاعری کی ممنون احسان ہے، یہ کوئی ۵۰ صفحے کا مضمون ہے، اس میں انھوں نے اسلامی دور کی ہسپانوی شاعری پر ایک نہایت فاضلانہ تبصرہ کیا ہے،

پھر لفظی، صوری اور معنوی لحاظ سے یورپ کی شاعری پر اس کے درجہ بدرجہ اثرات کو ظاہر کیا ہے، اگر موقع ملا، تو اس مضمون کا ترجمہ کرون گا، ورنہ پھر کسی آیندہ فرصت پر اٹھا رکھون گا،

ہان تو اگر آپ مندرجۂ بالا یا اس قسم کی دوسری کتابون کو دار المصنفین کے لئے حاصل کرنا چاہتے ہین تو اس کی صورت یہ ہوسکتی ہے کہ آپ عبد الرحمٰن صدیقی ایم ایل اے، اڈیٹر مارننگ نیوز، کلکتہ کو لکھین، براہ راست ہندستان سے کسی قسم کی کوئی رقم یہان نہین آسکتی، البتہ لندن سے یہ رقم یہان آسکتی ہے، لیرا اور پونڈ کے درمیان جو نرخ تبادلہ مقرر ہوا ہے، اس کی شرح ۱ پونڈ = ۸۰۰ لیرا ہے، عبد الرحمٰن صاحب اپنے لندن کے دفتر کے ذریعہ یا لندن مین اور کسی کے ذریعہ سے یہ رقم یہان بھیج سکتے ہین، پھر جون ہی آمد و رفت کا سلسلہ جاری ہوگا، یہ کتابین آپ تک پہنچ جائین گی، اس کے متعلق اگر آپ اور کوئی معلومات چاہتے ہون، تو وہ رحمٰن صاحب سے مل سکتی ہین،

آپ کو شاید یاد ہو کہ مین نے کائتانی کی تاریخ اسلام کے اردو ترجمہ کرنے کا ذکر کیا تھا، مگر آپ نے اس کے نفس مضمون کے متعلق کچھ شبہہ ظاہر کیا تھا، مین نے بعد کو جو اس کی اور دوسری تصنیفین دیکھین تو مجھے آپ کی راے یاد آئی، اور مجھے اس سے پورا اتفاق ہے، دراصل کائتانی کے اسلام کے متعلق صحیح خیالات اس کی تاریخ اسلام مین نہین ملتے، مگر اس کی دوسری چھوٹی چھوٹی تصنیفون مین ملتے ہین، اور ان تصنیفون کا بہت کم لوگون کو علم ہے، ان تصنیفون مین تو وہ بعض جگہ ازمنۂ وسطیٰ کے پادریون سے بھی دو قدم آگے بڑھ جاتا ہے، اور وہ رویہ اختیار کرتا ہے، جو صلیبی جنگون کے جنون کو یاد دلاتا ہے، گو اس پر علم کا پردہ ڈالا گیا ہے، جس پر معلومات اور غیر جانبداری کی خوب مینا کاری بھی کی گئی ہے، لیکن اس کا کتب خانہ بلاشبہ ایک عجیب چیز ہے، ۱۹۲۵ء مین اوس نے اپنا کتب خانہ یہان کے ایک بڑے کتب خانہ کو دے دیا، پندرہ برس یہ تمام کتابین کس مپرسی کے عالم مین پڑی رہین، جنگ کے زمانے مین جب یہان کے لوگون کو مصر، شام، فلسطین پر قبضہ کرنے کا شوق چرایا، تو معلومات کی ضرورت ہوئی، اور پھر اس کتب خانے کو مرتب کرنے کی فکر ہوئی، گو کام پہلے شروع ہوگیا تھا، مگر پوری ترتیب ۱۹۴۰ء اور ۱۹۴۱ء مین ہوئی، اور مئی ۱۹۴۱ء مین اس کا باقاعدہ افتتاح ہوا، اس کتب خانے مین اسلامی تاریخ کی بابت فرانسیسی، جرمن، انگریزی، عربی، اور ایک حد تک روسی مین جو کچھ لکھا گیا ہے، اس کا ایک بڑا حصہ موجود ہے، پھر انیسوین صدی مین جو چھوٹے چھوٹے رسالے مختلف ملکون مین شائع ہوتے اور جو بعض معلومات کے لحاظ سے بہت قابل قدر ہین، وہ بھی یہان ملتے ہین، اس کے قلمی نسخون کی ایک فہرست بھی شائع ہوچکی ہے، اگر آپ کو کسی معلومات کی یا کسی تفصیل کی یا کسی کتاب سے کچھ حصہ نقل کرنے کی ضرورت ہو، تو براے مہربانی ضرور لکھئے،

آپ کی نظر سے ابن جبیر کا سفرنامہ ضرور گذرا ہوگا، اس کا عربی ایڈیشن لیڈن سے مدت ہوئی، پروفیسر ڈی گوئیے (DE. GOEJE) نے تصحیح کے بعد شائع کیا، پھر ۱۹۰۶ء مین اس کا ایک اطالوی ترجمہ یہان سے شائع ہوا، یہ ترجمہ میری نظر سے گذرا، میرے خیال مین یہ کتاب اس قابل ہے کہ اس کا اردو ترجمہ ہو[1]، مین تو آپ کے سامنے یہ تجویز پیش کرون گا، کہ عربی سیاحون کے جتنے سفرنامے ہین، ان کا اردو ترجمہ شائع ہونا چاہئے، یہ معلوم کرکے افسوس ہوتا ہے، کہ یورپ کی زبانون مین ان کے ترجمے چھپتے ہین، جہان ان کے پڑھنے والے تھوڑے لوگ ہین، مگر خود ہماری

[1] معارف:- اس کا اردو ترجمہ رامپور سے شائع ہوچکا ہے،

زبان مین اس کے ترجمے موجود نہین ہین، حالانکہ ہماری تاریخ اور ثقافت کے لئے یہ سفرنامے کتنے ضروری ہین،

حال مین یہان عمر خیام کی رباعیات کا ایک ترجمہ شائع ہوا ہے، شروع مین ایک تنقیدی دیباچہ بھی ہے، اس دیباچہ مین وہی حالات درج ہین جو تذکرۂ دولت شاہ اور دوسرے مغربی مصنفین کی تصنیفون مین ملتے ہین، مگر اس کی شاعری کو پرکھنے اور اس پر صحیح تنقیدی نظر ڈالنے کے لئے ایک ایسی لسانی تیاری کی ضرورت تھی جو لغات کی ورق گردانی سے بالاتر ہو یعنی اس تمدن کی رگ و پے مین سرایت کرنے اور اسی فضا مین سانس لینے کی ضرورت تھی، اور یہ چیز اس براعظم کے باشندون کے لئے آسانی سے ممکن نہین، اس لحاظ سے مجھے اجازت دیجئے، اگر مین آپ کی تصنیف عمر خیام کا ذکر کرون، جو یہان کی اس قسم کی تمام تصنیفون سے کہین بلند ہے، مین نے جب اس کا مترجم سے ذکر کیا، تو انھون نے آپ کی تصنیف دیکھنے کا بہت شوق ظاہر کیا، گو اردو سے اپنی لاعلمی پر افسوس بھی کیا، پروفیسر براؤن نے اپنی تاریخ ادبیات ایران کی چوتھی جلد مین شعر العجم کا ذکر جس پیرایے مین کیا ہے، اس سے اردو کا شوق بعض لوگون مین بڑھ گیا ہے لیکن اردو کے شائقین مین ایک بڑا حصہ ایسا ہے، جو اردو کی تحصیل کو محض استعماریت کے آلے کے طور پر استعمال کرنا چاہتا ہے، کیونکہ بغیر اس آلے کے اس جماعت کے خیال کو نہین سمجھا جاسکتا، جو یہ زبان بولتی اور لکھتی ہے،

امید ہے کہ آپ بخیریت ہون گے،

اگر آپ ہوائی ڈاک سے جواب دین گے تو مجھے جلد مل جائے گا، گو مین ہوائی ڈاک سے خط نہین بھیج سکتا کیونکہ غیر فوجی اشخاص کو ہوائی ڈاک استعمال کرنے کی اجازت نہین ہے،

خاکسار

ریاض الحسن

باب التقریظ والانتقاد

ادب اور زندگی

از جناب مجنون گورکھپوری تقطیع چھوٹی ضخامت ۱۶۰ صفحے کاغذ کتابت و طباعت بہتر قیمت مجلد عا۔ پتہ کتابی دانش محل امین الدولہ پارک لکھنؤ،

یہ کتاب ترقی پسند ادب، پرانے اردو ادب اور ادب کے بعض دوسرے پہلوؤں پر مصنف کی چند تنقیدی تقریرون اور مضامین کا مجموعہ ہے، ادب و زندگی، مبادیات تنقید، زندگی اور ادب کا بحرانی دور، ادب اور ترقی، ہندوستانی ناٹک نظیر اکبر آبادی، حالی کا مرتبہ اردو ادب مین، جاذب کیا ہے، اردو افسانے مین جدید میلانات، ان مضامین مین ترقی پسند ادب کے نقطۂ نظر سے پرانے ادب پر تنقیدی نگاہ ڈالی گئی ہے، اور نئے ادب کی حقیقت اور اس کی ضرورت و اہمیت ظاہر کی گئی ہے، نیا اور ترقی پسند ادب کوئی اصطلاح ضرور ہے، لیکن نئی چیز نہیں ہے، بلکہ وہ اپنے ماقبل کے مقابلہ مین نئے زمانہ کے مذاق و رجحان کا فطری نتیجہ ہے، ہر دور کے ادب کو اس مرحلے سے گذرنا پڑتا ہے، صرف زمانہ کے مذاق و رجحان کا فرق ہے، اردو زبان کا موجودہ دور بھی اس سے مستثنیٰ نہیں، ابتدا کی سب سے لیکر مصنف کی اس تالیف تک ہر زمانہ مین اُس کے رجحان و مذاق کے مطابق پرانا ادب بدلتا اور نیا اور ترقی پسند ادب پیدا ہوتا رہا، غالب اور سرسید کے عہد سے یعنی جب سے اردو مین خیالی افسانہ طرازی کے بجائے واقعیت و سنجیدگی پیدا ہوئی، خیالات و رجحانات کی تبدیلی کے ساتھ ساتھ اردو ادب ترقی کے کتنے مدارج طے کر چکا ہے، سرسید کے زمانہ مین اصلاح معاشرت، تعلیم جدید، مغربی علوم و فنون اور مغربی خیالات کا زور تھا، اس لئے اس زمانہ کا ادب بھی اسی کا ترجمان ہے، شعر و شاعری مین ترقی پسند خیالات، کا نمونہ مولانا حالی کا مسدس اور مقدمۂ شعر و شاعری ہے، اس کے بعد آزادی و سیاست کا دور شروع ہوا، اس مین جس قدر ترقی ہوتی گئی اسی تناسب سے ادب پر سیاست کا رنگ چڑھتا گیا، اب اشتراکیت اور اقتصادیات کا زمانہ ہے اسلئے اس کے اثرات و نتائج بھی فطری ہین اسلئے ترقی پسند ادب کوئی نئی چیز ہے، اور نہ اس کا موجودہ معیار آخری معیار ہے، آج کا ترقی پسند ادب پچاس سال کے بعد افسانۂ پارینہ اور قدامت کی دستاویز بن جائے گا، اس لئے قدیم ادب کے شیدائیون اور نئے ادب کے بچاریون مین نفس ترقی پسندی مین نہین بلکہ ترقی پسندی کی تعبیر اور اس کی بے اعتدالی اور انتہا پسندی مین اختلاف ہے،

ترقی پسند ادیبون کا یہ کہنا کہ ہمارا پرانا ادب عوام اور نیچے طبقون کی زندگی سے الگ ہے، بڑی حد تک صحیح ہے لیکن یہ پرانے ادب اور پرانے ادیبون کا نقص نہین بلکہ ہندوستان کی جہالت کا نتیجہ ہے، ضرورت ادب پیدا کرتی ہے، ادب ضرورت نہین پیدا کرتا، ایسے جاہل عوام کے لئے جن مین ادب سے فائدہ اٹھانے ہی کی صلاحیت نہ تھی، ادب پیدا کس طرح ہو سکتا تھا، جس قسم کے ادب، افسانون کا ذوق اس زمانہ کے عوام مین تھا، اور جس حد تک اس سے فائدہ اٹھانے کی ان مین صلاحیت تھی، اس قسم کا ادب موجود تھا، اور آج بھی ہندو سنسکرت، ہندی اور فارسی کی بہت سے عام پسند قصون اور حکایتون کے ترجمے بلکہ ہندی آمیز اردو کے قصے کہانیون کی کتابین ہر زمانہ مین موجود تھین، جن سے عوام لطف اندوز ہوتے تھے، یہ صحیح ہے کہ اس مین دیہاتی زندگی کی مصوری،

مزدورون اور کسانون کی اصلاح و ترقی کی تعلیم، اور خالص دیہاتی مذاق کی چیزین نہ تھین، لیکن ہندوستان کے موجودہ حالات مین ترقی پسند ادب کی اصلی غرض و غایت کے اعتبار سے موجودہ ترقی پسند ادب اور پرانے قصے کہانیان دونون جاہل عوام کے لئے برابر ہین، بلکہ پرانے قصص و افسانے تو ان کی مجلسون کو گرم بھی کرتے تھے، اور کم از کم ان کے لئے تفریح طبع کا سامان بہم پہنچاتے تھے، اور موجودہ ترقی پسند ادب سے استفادہ کا سوال تو الگ ہے ان کے کانون تک اس کا پہنچنا بھی مشکل ہے، اور بعض خواندہ طبقہ کی تفریح ذہنی کا ذریعہ ہے، ترقی پسند ادیبون نے جو لٹریچر پیدا کیا ہے اس سے کتنے غریب جاہل دیہاتی فائدہ اٹھا سکے ہین، اور ان کی زندگی کہان تک سنور سکی ہے، محض کاغذ کے صفحات پر فلسفہ بیان کر دینے سے تو کچھ حاصل ہوتا نہین، جب تک عوام جاہل ہین ان کے لئے لیلیٰ کا پرانا افسانہ اور مجنون کی یہ نئی ڈائری دونون برابر ہین، درحقیقت سیاست کے ساتھ ادب مین بھی وہی اندھی ذہنی غلامی کار فرما ہے، ہمارے ترقی پسند ادیب سوویٹ لٹریچر کی تو نقالی کرنا چاہتے ہین لیکن یہ نہین دیکھتے، کہ روس اور ہندوستان کے حالات مین فرق کتنا ہے، وہان انقلاب روس سے پہلے بھی عوامی ادب سے فائدہ اٹھانے والا خاصہ طبقہ موجود تھا، اور انقلاب کے بعد تو قریب قریب ہر شخص تعلیم یافتہ یا کم از کم خواندہ ہو گیا، اس کے مقابلہ مین ہندوستان کی حالت کو دیکھئے پھر دونون کے سیاسی حالات مین بڑا فرق ہے، غرض یہ ہے کہ محض کاغذی گھوڑے دوڑانے سے عوام کو کوئی فائدہ نہین پہونچ سکتا، ضرورت اس کی ہے کہ پہلے ان کو نئے ادب سے فائدہ اٹھانے کے لائق بنایا جائے،

ترقی پسند ادیبون کا سب سے بڑا عیب ان کی انتہا پسندی اور بے اعتدالی ہے، انھون نے ترقی پسند ادب کو خاص طرز کے افسانون اور نظمون مین محدود کر دیا ہے، اور مذہب و اخلاق کے استہزاء و استخفاف اور فحاشی اور عریان نگاری کو تو ادب کا ضروری جزو بنا لیا ہے، جس سے نہ صرف اردو زبان بلکہ خود ترقی پسند ادب کی مقبولیت کو نقصان پہنچ رہا ہے، اور سنجیدہ طبقہ کو خواہ وہ قدیم تعلیم یافتہ ہو یا جدید اس سے کراہت پیدا ہوتی ہے، کوئی زبان محض انقلابی افسانون اور نظمون پر زندہ نہین رہ سکتی، دین و مذہب کی تحقیر ترقی پسند ادب کا ایسا ضروری جزو بن گئی ہے، کہ لائق مصنف بھی جن کا شمار سنجیدہ اور خوش مذاق ترقی پسند ادیبون مین ہے، اس کے خرافات سے اپنا دامن نہ بچا سکے، اور ان کے قلم سے ایسی لغو اور غلط باتین نکل گئین، جس کی توقع کسی پڑھے لکھے آدمی سے نہین کی جا سکتی، مثلاً انھون نے سامنتی دور کی کتابون کو دو قسمون مین تقسیم کیا ہے، چنانچہ لکھتے ہین "ایک وہ ہین جن مین ترک دنیا اور درویشی کی تعلیم دی گئی ہے، دوسری طرف وہ جن مین یا مجادلہ و یا قتل اور کشت و خون کی ترغیب دی گئی ہے، یا عیش و امارت و فرصت و فراغت کی زندگی کی تخئیل ہے، (ص) اس مین انھون نے گلستان سعدی ..... کو بھی شامل کیا ہے، یہ تو بدگمانی نہین کی جا سکتی، کہ مصنف کی نظر سے یہ کتاب نہین گذری یا وہ اس سے واقف نہین لیکن اس کا اندازہ ضرور ہوتا ہے کہ انتہا پسندی اور غلط روی انسان کو کہان تک پہنچا سکتی ہے گلستان کے متعلق یہ ایسا انکشاف ہے جس کی جانب آج تک کسی کا ذہن منتقل نہین ہوا تھا، اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ "نعوذ باللہ کلام مجید اور انجیل ادبی اختراعات، اور معقول و مدلل ادبی خرافات ہین، اور اس کے مقابلہ مین مہابھارت اور راماین کو اپنے زمانہ کی غیر فانی یادگار قرار دیا گیا ہے، خوب ع:

یا ترقی انجمن یا تنزل انجمن

خدا کے کلام کے مقابلہ مین یہ آزادی اور انسانون کے مواخذہ کا یہ خوف بیشک ایک انقلابی کی یہی شان ہونی چاہئے، اور دانشمندی کا تقاضا بھی یہی تھا،

نظیر اکبر آبادی سے متعلق مضمون میں ان کی شاعری کا صرف ایک رخ دکھایا گیا ہے اور اشتراکی ادیب کے نقطۂ نظر سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے، کہ نظیر نے اپنی شاعری میں مذہب و مشرب کو کوئی اہمیت نہیں دی ہے، انھوں نے زیادہ تر ہندو مذہب و معاشرت، رسوم پر پر جوش نظمیں لکھی ہیں، اور اسلام اور مسلمانوں کے مذہب و معاشرت سے متعلق ان کی نظمیں محض برائے بیت ہیں، اور ان میں وہ جان و تازگی نہیں ہے، جو ہندوانہ نظموں میں پائی جاتی ہے، (ص ۵۶ و ۵۵) ان کی نظموں سے یاس و قنوطا کے بجائے زندگی کا سبق ملتا ہے، افسوس ہے کہ اس مختصر تبصرہ میں اس پر تفصیلی گفتگو کی گنجائش نہیں ہے ورنہ دکھایا جاتا، کہ اس بیان میں کہاں تک صداقت ہے، لیکن یہ سوال کرنے کو جی چاہتا ہے کہ اولاً ایک عوامی شاعر کے لئے مذہب سے آزادی یا بے اتفاقی کونسی ضروری شرط ہے اور اگر اشتراکی نقطۂ نظر سے ہو بھی تو اس کے لئے اسلام کی تخصیص کیوں ہے کیا ہندو مذہب مذہب نہیں ہے جس کے متعلق مصنف کو خود اعتراف ہے کہ نظیر نے ہندوانہ نظمیں بڑے جوش و خروش سے لکھی ہیں اگر مصنف کا بیان صحیح مان لیا جائے تو پھر نظیر ہندوستان کے عوامی شاعر کس طرح کہے جا سکتے ہیں، کیا مسلمان ہندوستانی نہیں ہیں اور ان کے مذہب و تہذیب و معاشرت سے اعتنا ایک عوامی شاعر کے لئے ضروری نہیں ہے یہ تو ایک اصولی سوال تھا، واقعہ کے اعتبار سے مصنف کا بیان بالکل غلط ہے، نظیر کی شاعری میں دونوں پہلو برابر ہیں انھوں نے بلا تخصیص دونوں کے مذہب و معاشرت و رسوم پر یکساں نظمیں لکھی ہیں، بلکہ مسلمانوں کے مذہب و اخلاق و رسوم سے متعلق نظموں کی تعداد کچھ زیادہ ہی ہے، یہ اور بات ہے کہ مصنف کو اپنے فطری ذوق کی بنا پر یہ نظمیں برائے بیت اور بے جان نظر آتی ہوں ظاہر ہے کہ ایک خالص ہندوستانی ترقی پسند کو عید الفطر اور عید اضحیٰ اور شب برات کی نظموں میں وہ لطف حاصل نہیں ہو سکتا ہے، جو ہولی اور دیوالی کی نظموں میں ملے گا، یہ بھی صحیح نہیں کہ نظیر کی شاعری میں یاس و قنوطا کے بجائے زندگی ہے، اس حد تک صحیح ہے کہ وہ ایک زندہ دل اور خوش طبع شاعر تھے اسلئے ان کی بعض نظموں میں بلا شبہ لطف و انبساط کا رنگ جھلکتا ہے، لیکن اس کے مقابلہ میں بیسیوں نظموں میں موت، فنا، بے ثباتی و ترک دنیا وغیرہ کی نہایت موثر تصویریں ہیں، انھوں نے مذہب و اخلاق اور اس کے متعلقات پر اس کثرت سے نظمیں لکھی ہیں کہ ان کے کلیات کا ایک معتد بہ حصہ ان نظموں پر مشتمل ہے اس کی مختصر فہرست یہ ہے،

توحید، حمد، مظاہر الوہیت، نعت، منقبت، مدح پنجتن، فضائل کلمہ، کرامت حضرت علیؓ، کرامت حضرت عباسؓ، مدح حضرت سلیم چشتی، شب برات، عید الفطر، عید گاہ، ذکر آبادی، موت، فنا دنیا کی بے ثباتی، دنیا کی بے حقیقتی، سفر آخرت کی تیاری، بنجارہ نامہ، بے نام اللہ کا، فرصت حیات، مذمت دنیا، توکل، ترک، تجرید، تسلیم و رضا، عبادت و خدا پرستی، وجد و حال، چڑیوں کی تسبیح و تحمید، عرفان نفس، دنیا دار المکافات ہے، توکل علی اللہ، خواب غفلت، تواضع، فضیلت علم، عدل و قناعت وغیرہ، ان نظموں کے خیالات تمام تر اسلامی ہیں، اور صرف بے ثباتی دنیا وغیرہ پر تو ایک نہیں بہت سی طویل نظمیں ہیں، اس کے بعد یہ کہنا کہ نظیر نے اپنی شاعری میں مذہب و مشرب کو کوئی اہمیت نہیں دی، اور ان کی نظموں میں ہندویت زیادہ ہے کہاں تک صحیح ہے، یہ دوسری بات ہے کہ وہ عام پسند اور عوام کے مذاق کی نظمیں بھی کہتے تھے، اس کتاب میں اس قسم کی اور بھی بہت سی خامیاں ہیں جن کی تفصیل کا یہ موقع نہیں ہے تاہم چونکہ مصنف صاحب مذاق ادیب ہیں، اور نئے ادب کی سرمستی میں پرانے بادۂ گلفام کا مزا بالکل بھول نہیں گئے ہیں اس لئے انھوں نے بہت سی باتیں صحیح بھی لکھی ہیں، اور ان کے بعض خیالات نئے اور پرانے دونوں ادیبوں کے لئے لائق غور ہیں،

"م"

مطبوعات جدیدہ

روسی ادب حصہ اول، از جناب محمد مجیب صاحب بی اے آکسن استاد جامعہ ملیہ اسلامیہ تقطیع بڑی ضخامت ۳۸۱ صفحے کاغذ کتابت و طباعت بہتر، قیمت مرقوم نہیں، پتہ انجمن ترقی اردو ہند نئی دہلی،

ہندوستان میں زیادہ تر روس کے نئے انقلابی لٹریچر سے دلچسپی ہے، پرانے روسی ادب کے متعلق اردو میں کوئی خاص معلومات نہیں، لائق مصنف نے جو روسی زبان سے واقف ہیں عرصہ ہوا، رسالہ اردو میں روسی ادب پر ایک طویل و مفصل مضمون لکھا تھا، انجمن ترقی اردو نے اسکو کتابی شکل میں شائع کردیا ہے، اس میں روسی اقوام کی مختصر تاریخ اور انکی طبعی خصوصیات پر تبصرہ ہے اور روسی زبان و ادب کے ابتدائی دور سے لے کر انقلاب روس سے پہلے تک کے روسی ادب، ادب العوام، شاعری، ڈراما، حکایتوں وغیرہ اصناف ادب کی تاریخ، عہد بعہد کے تغیرات اور اس کے محرکات و اسباب، ہر دور کے شعراء و ادباء کے مختصر حالات انکی ادبی خصوصیات اور نمونہ کلام وغیرہ تمام ضروری پہلوؤں کو بیان کیا گیا ہے، جس سے روسی ادب کی تاریخ کے ساتھ روسیوں کے ذہنی و فکری ارتقاء کے مدارج بھی سامنے آجاتے ہیں، کتاب موضوع و معلومات کے اعتبار سے مفید و دلچسپ اور مصنف کی ادبی خصوصیات کی حامل ہے، اس سے اردو زبان میں ایک مفید و قابل قدر اضافہ ہوا،

انتخاب جدید، از جناب عزیز احمد صاحب استاد جامعہ عثمانیہ و جناب آل احمد صاحب سرور استاد مسلم یونیورسٹی تقطیع چھوٹی، ضخامت ۲۷۶ صفحے، کاغذ کتابت و طباعت بہتر، قیمت مجلد ہے غیر مجلد عہ پتہ انجمن ترقی اردو دہلی

اردو کے قدیم شعراء اور قدیم و جدید کے کلام کے مشترک انتخابات کے متعدد مجموعے موجود ہیں، لیکن خالص نئے دور کے شعراء کا کلام اب تک کسی صاحب مذاق کی نگاہ انتخاب کا منتظر تھا، یہ کام دو باذاق ادیبوں کے ہاتھوں انجام پایا، اس مجموعے میں دور جدید یعنی حالی کے زمانہ سے لیکر جب سے اردو شاعری کا رنگ بدلا ہے موجودہ دور تک کے اکاون شعراء کے ۱۹۱۲ء سے سنہ ۱۹۴۲ء تک درمیانی زمانہ کے کلام کا انتخاب ہے، اس میں نئے دور کے تقریباً تمام مشہور شعراء آگئے ہیں، دور کی تقسیم طرز شاعری کے بجائے زمانہ کے اعتبار سے کی گئی ہے، اس لئے بعض ایسے شعراء بھی شامل کر لئے گئے ہیں جو اپنے طرز کے اعتبار سے قدیم شعراء کے زمرہ میں شامل ہیں، لیکن زمانہ کے اعتبار سے وہ نئے دور کے ہیں، مثلاً ریاض خیرآبادی اور شوق قدوائی، نئے دور میں اقبال احمد خاں صاحب سہیل کا نام نہ ہونا ایک بڑی فروگذاشت ہے، اس کے مقابلہ میں بعض ایسے نام بھی نظر آتے ہیں جن کی شاعرانہ حیثیت کا علم اس انتخاب کے مطالعہ کے بعد ہوا، انتخاب ایک ذوقی چیز ہے، اور مختلف اشخاص کے ذوق میں پوری پوری مطابقت ہونا ضروری نہیں ہے لیکن مجموعی حیثیت سے انتخاب میں سلیقہ اور حسن مذاق نمایاں ہے، خصوصاً جس مقصد سے یہ انتخاب کیا گیا ہے، وہ پوری طرح حاصل ہو جاتا ہے اور اس مجموعہ سے دور جدید کی طرز شاعری اور نئے رجحانات کا پورا اندازہ ہو جاتا ہے، کتاب کے شروع میں لائق مؤلفین کے قلم سے قدیم شاعری اور اس کے جدید رجحانات پر مفید تبصرہ ہے، خصوصاً سرور صاحب کا دیباچہ بہت خوب ہے، اس میں شاعرانہ نکتہ سنجی اور ادیبانہ ژرف نگاہی سے قدیم طرز شاعری اور جدید رجحانات پر نہایت معتدل و متوازن تبصرہ کیا گیا ہے، بغیر اس دیباچہ کے یہ کتاب ناقص رہتی،

اوراق گل مرتبہ جناب ضمیر احمد صاحب ہاشمی ڈپٹی ریونیو منسٹر ریاست رام پور، تقطیع بڑی ضخامت ۳۵۲ صفحے، کاغذ نفیس کتابت وطباعت دیدہ وزیب قیمت مرقوم نہیں، غالباً کتب خانہ یا بزم سخن رامپور سے ملے گی،

اردو شاعری اور اساتذہ سخن کی قدردانی اور سرپرستی ریاست رامپور کی دیرینہ روایت ہے، دلی اور لکھنؤ کی محفل اجڑنے کے بعد یہاں کے گم کردہ آشیان نوا سنجون کو ریاست رامپور ہی کے سایۂ عاطفت میں پناہ ملی تھی، اور رامپور اردو شاعری کا تیسرا مرکز بن گیا تھا، اب بھی وہاں شعر وسخن کا مذاق موجود اور بزم سخن کے نام سے ایک مجلس قائم ہے، جو وقتاً فوقتاً ہندوستان کے مشہور اور نامور شعراء کو مدعو کرتی رہتی ہے، اس لطف میں دوسرون کو شریک کرنے کے لئے مجلس مذکور کی جانب سے اس کے مدعو کردہ انتیس مشہور شعراء کا یہ دلچسپ تذکرہ شائع ہوا ہے، اس میں ان شعراء کے مختصر حالات، فوٹو، قلمی عکسی تحریرین، کلام کا انتخاب اور اردو زبان وشاعری کی اصلاح وترقی کے متعلق چند استفسارات کے جوابات ہیں، اس جدت نے اس تذکرہ کو نہایت دلچسپ بنا دیا ہے، ظاہری نفاست بھی دلفریب ہے، کاغذ کے اس قحط کے زمانہ میں یہ اہتمام ایک ریاست ہی کر سکتی تھی یہ تذکرہ ظاہری اور باطنی دونون خوبیون کے لحاظ سے اصحاب ذوق کے مطالعہ کے لائق ہے،

شمس بازغہ از جناب محمودہ رضویہ مدیرہ رسالہ شعاع، تقطیع چھوٹی ضخامت ۵۰ صفحے، کاغذ کتابت وطباعت اوسط قیمت مجلد ۸ر، پتہ:- مجلہ شعاع اردو وانجمن ترقی اردو کراچی،

اردو میں سیرت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم پر اتنا وافر اور مستند ذخیرہ فراہم ہو چکا ہے، کہ اس کی مدد سے بآسانی سیرت نبوی پر چھوٹے چھوٹے رسالے لکھے جا سکتے ہیں، مذکورۂ بالا کتاب بھی اسی قسم کا رسالہ ہے، واقعات صحیح اور اسلوب تحریر مناسب ہے، البتہ کہین کہین مبالغہ کا رنگ آگیا ہے، اور ایک دو مقامون پر واقعات کی ترتیب میں فرق ہے، غالباً اصل مقصود کو پیش نظر رکھا گیا ہے، اور ترتیب کا لحاظ عمداً نہیں کیا گیا ہے، یہ کتاب اس حیثیت سے لائق قدر ہے، کہ ایک خاتون کی تصنیف ہے لیکن سیرت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم پر شمس بازغہ کی تمثیل ایک عورت کی شکل میں بہت نامناسب ہے، اس تصویر کے نیچے مصنفہ کا نام اور اشتباہ پیدا کرتا ہے، کہ وہ شمس بازغہ کی تمثیل ہے، یا مصنفہ کی قلمی تصویر، کتاب کے آخر میں یزید اور زینب کا واقعہ بالکل بے جوڑ ہے، اس کو سیرت نبوی سے کیا تعلق، پھر اس قسم کے واقعات کے قبول کرنے میں بڑی احتیاط کی ضرورت ہے،

ہندوستان کی معاشی ترقی کا لائحۂ عمل } مترجمہ جناب سعید احمد صاحب بینائی بی اے، تقطیع چھوٹی ضخامت ۸۰ صفحے، کاغذ کتابت وطباعت بہتر قیمت ۱۲ر، پتہ مکتبہ امداد باہمی طلبائے جامعہ عثمانیہ وانڈیا بک ہاؤس عابد روڈ حیدرآباد دکن،

کسی ملک کی معاشی ترقی کے مفہوم میں وہ ساری ضروریات ولوازم داخل ہیں، جو موجودہ زمانہ میں کسی ملک کی ترقی وآسودہ حالی کے لئے ضروری ہیں، اس لحاظ سے ہندوستان کی معاشی حالت بہت پست ہے، یہان کے آٹھ معاشی اور کاروباری ماہرین نے ہندوستان کی آیندہ ابتدائی معاشی ترقی کی ضروریات اور اس کے مصارف کا ایک اجمالی خاکہ انگریزی زبان میں مرتب کیا تھا، لائق مترجم نے اردو میں اس کا ترجمہ کر دیا ہے، انگریزی میں تو اس قسم کی بہت سی کتابیں ہیں، لیکن اردو دان طبقہ کے معلومات کے لئے غالباً متفرق مضامین کے علاوہ کوئی مستقل کتاب نہ مل سکے گی اور اس زمانہ میں اس قسم کے مسائل عام ہیں، اس لئے اس کتاب کا ترجمہ مفید ہے،

"م"

جلد ۵۵ ماہ جمادی الثانی ۱۳۶۴ھ مطابق ماہ جون ۱۹۴۵ء عدد ۶

مضامین

شذرات

اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ معارف اپنی پہلی ضخامت کی طرف آہستہ آہستہ لوٹ رہا ہے، پچھلے مہینہ سے ۳۲ صفحون پر شائع ہو رہا ہے انشاء اللہ آیندہ ماہ سے ۴۸ پر ہوگا، اور امید ہے کہ چند ماہ کے بعد اس کی اصلی ضخامت پھر اپنی جگہ پر آجائے گی، صفحون کی کمی کے سبب سے مضامین کے تنوع اور رسالہ کی دلچسپی میں جو کمی آگئی تھی، ہم کو خود اس کا افسوس تھا، پھر بھی قدردانون کی طرف سے اس کی مانگ برابر بڑھتی ہی رہی، اور کاغذ کے استعمال کی کمی کے حکم سے ہم اون کی تعمیل بر وقت نہ کر سکے، امید ہے کہ یہ مشکل بھی دور ہو جائے گی،

چھ برس سے دنیا میں لڑائی کی جو تباہی چھائی تھی، اس مہینہ جرمنی کی شکست سے یورپ کے ملکون میں اس کا خاتمہ ہو گیا، تاریخ کے لحاظ سے یہ اپنی قسم کا کوئی نیا واقعہ نہیں، ہمیشہ ہی سے یہ دستورِ الٰہی رہا ہے کہ جو اپنی تلوار کے زور سے دوسرون کو گراتے ہیں، وہ آخر دوسرون کی تلوار کے زور سے ایک دن خود گرائے جاتے ہیں،

لیکن یہ دیکھنا ہے کہ یہ لڑائی جس مقصد سے لڑی گئی، اس میں دنیا کو کہان تک کامیابی ہوئی، یا ہوگی چھوٹی قومون کی حفاظت، کمزور ملکون کی حمایت اور جمہوریت کا بول بالا اس جنگ کا ترانہ تھا، اب ہم کو دیکھنا ہے اور تاریخ کو اپنے اوراق میں قلمبند کرنا ہے کہ اس زمانہ کے مہذب فاتح اور متمدن کشور کشا کہان تک میدان جنگ کے وعدون کو صلح کی میزون پر یاد رکھتے ہیں، اور فتح وشکست کے نتیجون میں قوت اور ضعف کی پرانی بار بار کی دہرائی ہوئی دلیلون کے علاوہ اس مدعیانہ ترقی وتہذیب کا عہد بھی کچھ تبدیلی پیدا کرتا ہے یا نہیں

اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں دنیا کی بڑی بڑی جبار وقہار قومون کی تباہی کا نقشہ پیش فرمایا ہے، اور بتایا ہے کہ قوت کا زور، طاقت کا گھمنڈ، دولت کا غرور اور ساز وسامان کی فراوانی نے ہمیشہ قومون کو حدود الٰہی سے قدم باہر نکالنے پر آمادہ کیا ہے، فرعون، نمرود، اور عاد وثمود، تبابعۂ یمن اور شاہان سبا کے واقعات کو قرآن پاک میں بڑی تفصیل سے بتایا گیا ہے، اس سے یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ یہ واقعات اور ان کے یہ نتیجے یہ قوت اور ان کے یہ پھل صرف پچھلی ہی قومون کے حق میں تھے نہیں دنیا کا کوئی دور، تاریخ کا کوئی ورق، اور زمانہ کا کوئی عہد ان واقعات اور ان کے ان